بلاک 1

عربی نثر کا بیان

اکائی 1 نثر : اس کی تعریف اور قسمیں

اکائی کے اجزاء

1.1 مقصد

1.2 تمہید

1.3 تعریف

1.4 نثر کی لغوی اور اصطلاحی معنی

1.5 نثر کی قسمیں

1.5.1 نثر مرسل

1.5.2 نثر فنی

1.6 معلومات کی جانچ

1.7 خلاصہ

1.8 نمونہ کے امتحانی سوالات

1.9 فرہنگ

1.10 مطالعہ کی معاون کتابیں

1.1 مقصد

اس اکائی کے مطالعہ سے آپ کو

☆ نثر کی پہچان سمجھ میں آئے گی۔

☆ نثر اور نظم میں فرق کرنے پر قدرت حاصل ہوگی۔

☆ نثر کی قسموں سے واقفیت ہوگی۔

☆ نثر کی مختلف قسموں کی افادیت پر معلومات حاصل ہوگی۔

☆ نثر کی مختلف نمونوں سے آشنا ہونے کا موقعہ ملے گا۔

☆ نثر کی قسموں میں فرق کرنے کی صلاحیت پیدا ہوگی۔

1.2 تمہید

انسان کے پاس عقل وفہم کی نعمت بہت بڑا سرمایہ ہے۔اسی نعمت کے سہارے وہ اپنے خیالات واحساسات معاشرہ کے دوسرے افراد تک پہونچاتا ہے۔اپنی معلومات سے دوسروں کو باخبر کرتا ہے۔عقل وفہم کی بنیاد پر جب انسان ترقی کرتا ہے تو فکر میں بالیدگی اور بلندی پیدا ہوتی ہے۔اس کے تجربہ میں نئی نئی چیزیں آتی ہیں۔معلومات میں نئی نئی جہتیں پیدا ہوتی ہیں۔انسان ان تجربات سے اور نئی جہتوں سے خود بھی فائدہ حاصل کرتا ہے اور دوسروں کو بھی اپنے خیالات سے اور تصورات سے متعارف کراتا ہے۔لہٰذا عقل ودانش کی یہ نعمت انسان کی فکری پرواز اور عملی ترقی کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔انسان چونکہ عقل کی بنیاد پر اپنے معاملات طے کرتا ہے لہٰذا اپنے ارادوں اور فیصلوں کا اظہار اپنی زبان سے کرتا ہے۔زبان سے اس اظہار کو کلام کہتے ہیں۔جسے ہم عام فہم زبان میں ''بات کرنا'' کہتے ہیں۔

کلام کی دو قسمیں ہوتی ہیں:

1. کلام منثور یعنی نثری کلام جسے نثر کہا جاتا ہے۔
2. کلام منظوم یعنی منظوم کلام جسے نظم کہا جاتا ہے۔

1.3 تعریف

انسان بغیر کسی وزن یا قافیہ کا اہتمام کیے جب بات کرتا ہے تو اسے نثر کہتے ہیں۔چونکہ زبان سے جو بات نکلتی

ہے اسے کلام کہتے ہیں اگر اس کلام کو عام انداز میں پیش کیا جائے، جس میں وزن اور قافیہ کا خیال نہ رکھا جائے تو وہ کلام نثر کہلاتا ہے۔ نثر کا اسلوب رواں ہوتا ہے۔ کسی قید یا ضابطہ کا پابند نہیں ہوتا ہے۔ انسان اپنی فطرت کے اعتبار سے نثر کے اسلوب میں ہی بات چیت کرتا ہے۔ کوئی بھی انسان جب بولنا سیکھتا ہے تو عام فہم انداز میں اپنی بات رکھتا ہے۔ اس میں کسی تکلف یا تصنع کا دخل نہیں ہوتا ہے۔ مافی ضمیر کو سادہ طریقہ سے پیش کرتا ہے، یہی نثر ہے۔

نثر میں جملہ کبھی چھوٹا ہوتا ہے، کبھی بڑا ہوتا ہے۔ صاحب کلام دوران گفتگو اس کا خیال نہیں کرتا ہے کہ جملے وزن کے اعتبار سے یکساں اور برابر ہوں۔ بلکہ موقع کی مناسبت سے اپنی رو میں جملوں کو ترتیب دیتا چلا جاتا ہے۔ جیسے جیسے اس کے ذہن میں خیالات اُبھرتے چلے آتے ہیں، وہ جملوں کو ادا کرتا چلا جاتا ہے۔ بات کرنے والے کے تصور میں یہ اہتمام نہیں ہوتا ہے کہ جملے یکساں یا مشابہ الفاظ پر مکمل ہوں۔ بلکہ صورتحال کے پس منظر میں جو بھی الفاظ اس کے ذہن کی سطح پر نمودار ہوتے ہیں، انہیں جملوں کی ساخت میں ترتیب دیتا چلا جاتا ہے۔

1.4 نثر کے لغوی اور اصطلاحی معنی

عربی زبان کے ماہرین کا کہنا ہے کہ نثر لغت کے اعتبار سے نَثَرَ یَنثِرُ یا یَنثُرُ سے ماخوذ ہے۔ جس کا مصدر نَثْراً و نِثاراً ہے۔ اس کا معنی بکھرنا یا پھیلانا ہے۔ مثلاً نَثَرَ الشئَ یعنی کس چیز کو بکھیر دیا یا منتشر کر دیا۔ نَثَرَ الماءَ من أنفِه بِنفسِه یعنی خود اپنی ناک سے پانی جھاڑا۔ وضوء کے وقت ناک میں پانی لے کر صاف کرنے کی غرض سے چھڑکنے کو استنثار کہتے ہیں۔

اسی طرح نَثَرَ الکلامَ یعنی اس نے نثر کے اسلوب میں بات کی۔ اس سے مراد یہ ہے کہ گفتگو شعر کے انداز میں یا منظوم شکل میں نہیں کی گئی۔ بلکہ نثر کے انداز میں، بغیر کسی وزن اور قافیہ کا اہتمام کئے، کی گئی۔ خواہ وہ بات تقریری شکل میں ہو یا تحریری شکل میں۔ خواہ خطابت کے طرز پر ہو یا قلم کے ذریعہ لکھ کر بات کی گئی ہو۔

اسی طرح نَثَرَ السِرَّ یعنی اس نے راز فاش کر دیا۔ مطلب یہ کہ کوئی بات پہلے صیغۂ راز میں محفوظ تھی اب اس کو برسر عام کر دیا۔

لفظ النَثْرُ اسم ہے۔ معرفہ ہے۔ اس سے مراد تحریر و تقریر کی وہ شکل ہے جو غیر منظوم طرز پر پیش کی جائے۔ کیونکہ جو بات منظوم انداز میں کہی جاتی ہے اس میں وزن ہوتا ہے اور قافیہ کا اہتمام ہوتا ہے۔ اصطلاح میں النثر اس کلام کو کہتے ہیں جو تقریر یا تحریر کی شکل میں بغیر کسی وزن اور قافیہ کا اہتمام کئے، پیش کیا جائے۔

1.5 نثر کی قسمیں

بنیادی طور پر نثر کی دو قسمیں ہیں۔

1. نثر مرسل 2. نثر فنی

پھر ضمنی طور پر ان دونوں قسموں کی مزید دو قسمیں ہیں۔

نثر مرسل کی قسمیں:

1. نثر بسیط۔ اسے نثر عادی بھی کہتے ہیں
2. نثر علمی

اسی طرح نثر فنی کی قسمیں ہوتی ہیں:

1. نثر وصفی
2. نثر انشائی

آئندہ سطور میں ان تمام قسموں کی وضاحت کی جائے گی۔

1.5.1 نثر مرسل

نثر مرسل اس کلام کو کہتے ہیں جس میں صاحب کلام بلا تکلف رواں اسلوب میں اپنی بات مخاطت تک پہونچادے۔ اس میں عقل وفکر کو مخاطب کر کے بات کی جاتی ہے۔ استعارہ و کنایہ کا سہارا نہیں لیا جاتا ہے، نہ ہی تخیلات کی دنیا میں سیر کی جاتی ہے۔

نثر مرسل کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔

1. نثر بسیط 2. نثر علمی

نثر بسیط: اس کو نثر عادی بھی کہتے ہیں۔ یعنی نثر عمومی۔ درحقیقت یہ نثر کا ابتدائی مرحلہ ہے۔ کسی بھی صاحب کلام کا ایک مرحلہ ایسا ہوتا ہے جب وہ اپنی بات عام فہم انداز میں رکھتا ہے۔ رفتہ رفتہ اسے الفاظ اور تعبیرات کا شعور حاصل ہوتا ہے۔ بیان پر قدرت حاصل ہوتی ہے۔ الفاظ ومعانی کے مختلف گوشوں سے واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ موقع کے اعتبار سے اظہار خیال کرتا ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا ہے کہ صاحب کلام ابتداء سے ہی فنی اسلوب میں اپنے خیالات کو ترتیب دے۔ چنانچہ نثر کے اس ابتدائی اسلوب کو جس میں صاحب کلام سادگی اور وضاحت کے ساتھ اپنی بات مخاطب

کے سامنے پیش کرتا ہے نثر بسیط کہتے ہیں۔

اس بات کو بخوبی ذہن نشیں کر لینا چاہئے کہ عالمی ادب کی ہر شکل خواہ وہ عہد رفتہ کی سلوٹوں میں دفن ہو چکی ہو یا دور حاضر میں رائج، وزیر استعمال ہو۔ نثر بسیط کے مرحلہ سے اس کا گزر یقینی ہے۔ نثر بسیط کے بعد ہی زبان کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔

نثر بسیط میں عام طور پر عمومی گفتگو کا انداز ہوتا ہے جس کا مقصد اظہار غرض، وعظ و نصیحت، تنبیہ و رہنمائی ہوتا ہے۔

نثر بسیط کے نمونے:

عن عبد اللّٰه بن عمرو ، عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ، أنه قال: " هلْ تدرُون مَن أولُ مَن يَدخُل الجنةَ مِن خَلْق اللّٰه؟ " ، قالوا : اللّٰه ورسوله أعلمُ ، قال : " أولُ مَن يدخلُ الجنة ، من خلق اللّٰه الفُقَراءُ المُهاجِرون الذين يُسَدُّ بِهِمُ الثُغورُ ، وتُتَّقَى بِهمُ المَكارِهُ ، ويَموتُ أحدُهم ، وحاجتُه في صدره لا يستطيعُ لها قَضاءً ، فيقول اللّٰه لمنْ يشاءُ مِن ملا ئكتِه : إيْتُوهم فحَيُّوهم ، فيقول الملائكة : ربَّنا نحن سُكَّانُ سماواتِک ، وخِيَرتُک مِن خَلْقک ، أفتأمرُنا أن نأتيَ هؤلاء فنُسَلِّمَ عليهم؟ قال : إنهم كانوا عبادا يعبدونَني لا يُشركون بی شيئًا، وتسَد بهم الثغور ، وتتقى بهم المكاره ، ويموت أحدهم ، وحاجته فی صدره لايستطيع لها قضاءً ، قال : فتأتيْهمُ الملائكة عند ذلک ، فيدخلون عليهم من كل باب : سلامٌ عليكم بما صبرتم فنِعْمَ عُقبَى الدار " . (رواه ابن حبان)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ اللہ کے رسول صلعم نے فرمایا: کیا تم لوگوں کو معلوم ہے کہ اللہ کی مخلوق میں سے سب سے پہلے جنت میں کون داخل ہوگا؟ صحابہؓ نے کہا: اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔ اللہ کے رسول صلعم نے فرمایا: اللہ کی مخلوق میں سب سے پہلے جو جنت میں داخل ہوگا وہ تنگ حال مہاجرین ہوں گے جن کے ذریعہ سرحدوں کی حفاظت کی جاتی ہے، ناگوار صورتحال میں ان کو آگے رکھ کر بچاؤ کا انتظام کیا جاتا ہے اور ان میں سے کسی کو جب موت آتی ہے تو اس کی ضرورت اس کے سینہ میں ہی رہ جاتی ہے، اس کو وہ پورا کر بھی نہیں پاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں میں سے جس کو چاہے گا کہے گا: تم لوگ ان لوگوں کے پاس جاؤ اور انہیں سلام کرو، فرشتے کہیں گے: ہمارے پروردگار! ہم آپ کے آسمانوں کے باشندے ہیں۔

آپ کی بہترین مخلوق ہیں، پھر بھی آپ ہمیں حکم دے رہے ہیں کہ ہم ان کے پاس جائیں اور انہیں سلام کریں! تو اللہ تعالیٰ کہے گا: یہ لوگ میرے ایسے بندے ہیں جو میری عبادت کیا کرتے تھے، میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا کرتے تھے، ان کے ذریعہ سرحدوں کی حفاظت کی جاتی تھی، ناگوار حالات میں انہیں آگے رکھ کر بچاؤ کا انتظام کیا جاتا تھا اور ان میں سے کسی کو جب موت آجاتی تو اس کی ضرورت اس کے سینہ میں ہی رہ جاتی تھی وہ اس کو پورا بھی نہیں کر پاتا تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: چنانچہ فرشتے اس وقت ان کے پاس جائیں گے اور ہر دروازہ سے ان کے پاس پہونچیں گے (اور کہیں گے): آپ لوگوں پر سلامتی ہو آپ کے صبر کرنے کی وجہ سے۔ کیا ہی خوب انجام کار ہے۔ (ابن حبان)

اسی طرح نثر بسیط کا ایک اور نمونہ ملاحظہ کیجئے۔

عن أبی هريرة ، قال : قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم : " إنَّ لِلّٰهِ ملائكةً يطوفون فی الطُرُق يلتَمِسون أهل الذكر ، فإذا وجدوا قوما يَذكُرون اللّٰهَ تَنادَوا : هَلُمُّوا إلى حاجتكم ، قال : فيَحُفُّونهم بأجنِحَتِهم إلى السماء الدنيا ، قال : فيسألُهم ربُّهم وهو أعلمُ مِنهُم، ما يقول عبادی ؟ قالوا : يقولون يُسبِّحونک ، ويُكبِّرونک ، ويَحْمدونک ، ويُمَجِّدونک ، قال : فيقول : هل رَأونِی ؟ قال : فيقولون : لا واللّٰه ما رَأوک ، قال : فيقول : وكيف لو رأونی ؟ قال : يقولون : لو رأوک كانوا أشَدَّ لک عبادةً ، وأشدَّ لک تمجيدا ، وتحميدا ، وأكثرَ لک تسبيحا ، قال : يقول : فما يسألونی ؟ قال : يسألونک الجنة ، قال : يقول : وهل رأوها ؟ قال : يقولون : لا ، واللّٰه يا رب ما رأوها ، قال : يقول : فكيف لو أنهم رأوها ؟ قال : يقولون : لو أنهم رأوها كانوا أشد عليها حِرصا ، وأشد لها طَلَبا ، وأعظمَ فيها رغبة ، قال : فمِمَّ يتعوَّذون ؟ قال : يقولون : مِنَ النار ، قال : يقول : وهل رأوها ؟ قال : يقولون : لا ، واللّٰه يا رب ما رأوها ، قال : يقول : فكيف لو رأوها ؟ قال : يقولون : لو رأوها كانوا أشد منها فرارا ، وأشد لها مَخافة ، قال : فيقول : فأُشْهِدُكم أنِّی قد غَفَرتُ لهم ، قال : يقول : مَلَکٌ من الملائكة : فيهم فلانٌ ليس منهم إنما جاء لحاجةٍ ، قال : هم الجُلَساءُ لايَشقَى بهم جليسُهم " . (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ہیں جو اللہ کا ذکر کرنے والوں کو تلاش کرتے ہوئے راستوں میں پھرتے رہتے

ہیں۔ چنانچہ جب وہ ایسے لوگوں کو پاتے ہیں جو اللہ کا ذکر کررہے ہوتے ہیں تو ایک دوسرے کو آواز دے کر بلاتے ہیں۔ آجاؤ اپنے مقصود کے پاس، چنانچہ وہ فرشتے انہیں اپنے پَروں سے ڈھانپ لیتے ہیں۔ فرشتوں کا یہ سلسلہ آسمانِ دنیا تک چلا جاتا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کا پروردگار ان سے پوچھتا ہے، حالانکہ وہ ان کے احوال سے بخوبی واقف ہے: میرے بندے کیا کہہ رہے ہیں؟ فرشتے کہتے ہیں: وہ آپ کی تسبیح بیان کررہے ہیں، آپ کی بڑائی بیان کررہے ہیں، آپ کی تعریف کررہے ہیں اور آپ کی عظمت کا ذکر کررہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے: کیا ان لوگوں نے مجھے دیکھا ہے؟ فرشتے کہتے ہیں: نہیں، اللہ کی قسم انھوں نے آپ کو نہیں دیکھا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے: اگر وہ لوگ مجھے دیکھ لیتے تو کیا ہوتا؟ فرشتے کہتے ہیں: اگر وہ لوگ آپ کو دیکھ لیتے تو آپ کی اور بھی زیادہ عبادت کرتے، اور بھی زیادہ آپ کی عظمت بیان کرتے۔ اور مزید آپ کی تسبیح بیان کرتے۔ اللہ پوچھتا ہے: وہ مجھ سے کیا طلب کررہے ہیں؟ فرشتوں نے کہا: وہ آپ سے جنت طلب کررہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے: کیا انھوں نے جنت دیکھی ہے؟ فرشتے جواب دیتے ہیں: نہیں، اللہ کی قسم اے میرے پروردگار انھوں نے اسے نہیں دیکھا ہے۔ اللہ پوچھتا ہے: اگر وہ لوگ اسے دیکھ لیتے تو کیا ہوتا؟ فرشتے جواب دیتے ہیں: اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو اس کے اور بھی زیادہ خواہش مند ہوتے، اور بھی زیادہ شدت سے طلب کرتے اور اس میں ان کی دلچسپی اور بھی زیادہ ہوتی۔ اللہ پوچھتا ہے: کس چیز سے وہ پناہ مانگ رہے تھے؟ فرشتے کہتے ہیں: دوزخ سے۔ اللہ پوچھتا ہے: کیا ان لوگوں نے دوزخ دیکھا ہے؟ تو فرشتے جواب دیتے ہیں: نہیں، اللہ کی قسم اے میرے پروردگار انھوں نے اسے نہیں دیکھا ہے۔ اللہ پوچھتا ہے: اگر وہ لوگ اسے دیکھ لیتے تو کیا ہوتا؟ فرشتے کہتے ہیں: اگر وہ لوگ اسے دیکھ لیتے تو اس سے اور بھی زیادہ بھاگتے، اور بھی زیادہ خوف کھاتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے: میں تم لوگوں کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان لوگوں کی مغفرت کردی ان فرشتوں میں سے ایک کہتا ہے: ان لوگوں میں ایک فلاں شخص ایسا بھی ہے جو ان لوگوں سے الگ ہے۔ وہ ایک ضرورت سے آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وہ لوگ ایسے ہم نشیں ہیں کہ ان کے ساتھ بیٹھنے والا بھی محروم نہیں رہتا ہے۔ (بخاری)

نثرِ علمی: نثرِ مرسل کی دوسری قسم نثرِ علمی ہے۔ اس نثر کے ذریعہ کسی علمی موضوع پر اظہارِ خیال کیا جاتا ہے جس میں انسانی ذہن و عقل کو مخاطب کیا جاتا ہے۔ اس میں افسانوی خیالات اور جذباتی طرزِ بیان کا دخل نہیں ہوتا ہے، بلکہ کائنات کے حقائق پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ انسانی زندگی میں پیش آنے والے واقعات کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ منطقی

بنیادوں پران کا تجزیہ کیا جاتا ہے۔احوال وواقعات کے اثرات کی طرف نشاندہی کی جاتی ہے۔امکانی نتائج سے باخبر کیا جاتا ہے۔مذاکرہ کا انداز حقائق ودلائل پرمبنی ہوتا ہے۔

اس نثر کے تئیں صاحب کلام علمی اور معلوماتی فوائد پہونچانے کی کوشش کرتا ہے۔اس لئے واضح اور سلیس زبان اختیار کی جاتی ہے۔تحریر میں سنجیدگی ہوتی ہے۔بات کو ذمہ دارانہ الفاظ وتراکیب میں پیش کیا جاتا ہے تاکہ مخاطب کسی پیچیدگی کا شکار نہ ہو بلکہ مقصود کلام کو بعینہ سمجھ سکے اور مطلوبہ نتیجہ تک پہونچ جائے۔نثر کا یہ اسلوب تحقیقی وعلمی تصانیف میں استعمال کیا جاتا ہے مثلاً فن طب میں،عقائد کی بحث میں،تاریخی احوال کے تذکرہ میں،سائنس اور فلسفہ کی شرح وتوضیح میں،وغیرہ وغیرہ۔اس اسلوب میں پیچیدہ سے پیچیدہ موضوعات کو بھی بہت سہل اور قابل فہم انداز میں پیش کیا جاتا ہے، تاکہ آسانی کے ساتھ مسئلہ کی وضاحت ہوجائے۔مخاطب کے ذہن کی گرہیں کھل جائیں۔اس سلسلہ میں صاحب کلام نہایت خوش اسلوبی سے اپنی بات عرض کرتا ہے۔کسی تکلف یا تصنع کا سہارا نہیں لیتا ہے۔اس طرز بیان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مخاطب شکوک وشبہات سے محفوظ رہے۔ذہن کسی الجھاؤ میں نہ پڑے۔اور بحسن وخوبی غرض کلام کا ادراک کرسکے۔

نثرعلمی کے نمونے:

اعلَمْ أنّ العُدوانَ على الناس في أموالِهم ذاهِبٌ بآمالِهم في تحصيلِها واكتِسابِها لمَا يَرَونه حينئذٍ مِن أنَّ غايتَها ومَصيرَها انتِهابُها مِن أيديْهِم و إذا ذهبتْ آمالُهم في اكتسابها وتحصيلها انقبَضتْ أيديْهم عن السَعي في ذلك، وعلى قدْر الاعتداء ونِسبتِه يكونُ انقِباض الرَّعايا عن السعي في الاكتساب، فإذا كان الاعتداء كثيرا عاما في جميع أبواب المَعاش كان القُعُودُ عن الكسْب كذلك، لذهابه بالآمال جُملَة بدخوله من جميع أبوابها، وإنْ كان الاعتداء يسيرا كان الانقباضُ عن الكسْب على نِسبتِه، والعُمرانُ ووُفورُه ونَفَاقُ أسواقه إنما هو بالأعمالِ وسَعْي الناس في المصالح والمكاسِب، ذاهِبين وجائِين، فإذا قعد الناسُ عن المعاش وانقبضت أيديهم في المكاسب كسدتْ أسواق العمران وانتفضت الأحوال، وابذعَرّ الناسُ في الآفاق من غير تلك الإ يالة في طلب الرزق، فيما خرج عن نطاقها، فخَفّ ساكن القُطر وخَلتْ دياره وخربَتْ أمصارُه واختلَّ باختلاله حالُ الدولة والسلطان، لِما أنَّها صورة للعُمران تفسُد بفساد مادتِها

ضرورةً.

(الظلم مؤذن بخَراب العمران لابن خلدون، مختارات من أدب العرب ج ا)

ترجمہ: جان لو، کہ لوگوں کے مالوں میں جبر ودست درازی، مال کے حصول اور اس کے کمانے میں لوگوں کی امیدوں کو فنا کر دینے والا عمل ہے۔ کیونکہ وہ دیکھ رہے ہوتے ہیں کہ اس صورتحال میں ان کے مال کا انجام یہ ہوگا کہ وہ ان کے ہاتھ سے چھین لیا جائے گا۔ چنانچہ جب لوگوں کی امیدیں مال کے کمانے میں اور اسے حاصل کرنے میں ختم ہوجائیں گی تو حصول مال کی کوشش میں ان کے ہاتھ ڈھیلے پڑ جائیں گے۔ جس قدر ظلم ہوگا اور ناروا سلوک کی جو سطح ہوگی، کسب معاش میں رعایا کی کوشش اسی قدر کمزور وسست ہوگی۔ اگر دست درازی معیشت کے تمام شعبوں میں بڑے پیمانہ پر عام ہوگی تو کسب معاش سے اسی قدر بے رغبتی ہوگی۔ کیونکہ ظلم معیشت کے تمام راستوں سے داخل ہوکر لوگوں کی امیدوں کو مکمل طور پر فنا کر چکا ہوگا۔ اگر ظلم چھوٹے پیمانہ پر ہوگا تو کسب معاش میں بے توجہی کی سطح بھی وہی ہوگی۔ معاشرہ، اس کا فروغ اور وہاں کے بازاروں کی ترقی درحقیقت اعمال سے وابستہ ہیں۔ نیز رفاہ کے مواقع اور کمائی کے وسائل میں ان کی کوششوں سے وابستہ ہیں کہ لوگوں کی آمدورفت جاری رہتی ہے۔ چنانچہ اگر لوگ معیشت کی تگ ودو سے بے رغبت ہوکر بیٹھ گئے اور کاروباری ذرائع میں ان کے ہاتھ ڈھیلے پڑ گئے تو معاشرہ کے بازار سرد پڑ جائیں گے۔ حالات بحران کا شکار ہوجائیں گے۔ لوگ اس ملک کو چھوڑ کر طلب رزق کے لئے دوسری سمتوں میں منتشر ہوجائیں گے، جو اس ملک کے دائرۂ حدود سے باہر ہوں گے۔ ملک کی آبادی کم ہوجائے گی۔ گھر خالی ہوجائیں گے۔ شہر ویران ہوجائیں گے۔ اس اضطراب سے ملک کی حالت ابتر ہوجائے گی۔ سلطنت کمزور پڑ جائے گی۔ کیونکہ حالات کی وجہ سے معاشرہ کی ایسی تصویر رونما ہوگی جو عناصر میں بگاڑ کے سبب لازمی طور پر بگڑتی ہی چلی جائے گی۔ (ابن خلدون)

نثر علمی کا ایک اور نمونہ ملاحظہ کیجئے:

هل تَعرِفُ الفَرقَ بين الحَرير الطبيعي والحرير الصِناعي؟ وهل تعرف الفرق بين الأسَد وصُورةِ الأسد؟ وهل تعرف الفرق بين الدنيا في الخارِج والدنيا على الخَريْطة؟ وهل تعرف الفرق بين عَمَلِك في اليَقْظَة وعملك في المَنام؟ وهل تعرف الفرق بين إنسان يَسْعَى في الحياة وبين إنسان من حِبْس وُضِعَ في مَتْجَر لِتُعْرَض عليه المَلابِسُ؟ وهل تعرف الفرق بين النائِحَةِ الثَّكْلَى والنائحة المُستأجَرة، وبين التكَحُّل في العَينَينِ والكَحَل؟ وهل تعرف الفرق بين السيف

يُـمْسِـكُـه الـجُـنْـدی المُحارِبُ وبين السيف الخَشَبیّ يُمسكه الخَطيبُ يومَ الجُمُعَة؟ وهل تعرف الـفـرق بيـن الناس فی الحيا ة والـنـاس عـلـی الشَّـاشَة البَيْـضاء ؟ وهل تعرف الفرق بين الصَوتِ والصَّدَی؟ إنْ عرَفتَ ذلک فهوبعَينِه الفرقُ بين الدينِ الحَقِ والدين الصناعی.

يـكَـدُّ البـاحثـون أذهـانَهُـم، ويَـجْهَد المؤرخون أنفُسَهم فی تقليبِ صُحُفِهم ووثائِقِهم عن تـعرُّفِ السبَبَ فی أنّ المسلمينَ أوّلُ أمْرِهم أتَوابالعجائبِ فغَزَوا وفَتحُوا وسادوا، والمسلمين فی آخِـر أمـرِهـم أتَـوابالعجائب أيضا فضَعُفُوا وذُلُّوا واستكانوا، والقرآنُ هوالقرآنُ ، وتعاليمُ الإسلامِ هـی تـعـاليم الإسلام ، ولاإله إلا اللّٰه هِیَ لاإله إلا اللّٰه، وكلُ شیءٍ هوكل شیء، ويَذهبون فی تعليل ذلک مَـذاهبَ شَتَّی، ويَسلُكون مَسالکَ مُتعدِّدةً، ولَاأرَی لذلک إلاسببًا واحدا وهو الفرقُ بين الدينِ الحقِ والدينِ الصِناعِی.

الـدين الصناعی حرَكاتٌ وسَكناتٌ وألفاظٌ، ولاشیءَ وراء ذلک، والدين الحق دينُ روحٍ وقلبٍ وحرارةٍ.

(الدين الصناعی للدكتور أحمد أمين ، مختارات من أدب العرب ج ا)

ترجمہ: کیا آپ کومعلوم ہے قدرتی ریشم اور مصنوعی ریشم میں کیا فرق ہے؟ کیا آپ کومعلوم ہے شیر میں شیر کی تصویر میں کیا فرق ہے؟ کیا آپ کومعلوم ہے کہ وہ دنیا جو آنکھوں کے سامنے پھیلی ہوئی ہے اور وہ دنیا جو نقشہ میں ہے دونوں میں کیا فرق ہے؟ کیا آپ کومعلوم ہے کہ حالت بیداری میں آپ کوئی کام کریں اور خواب میں کوئی کام کریں دونوں میں کیا فرق ہے؟ کیا آپ کومعلوم ہے کہ وہ انسان جو زندگی کی حرارت کے ساتھ نقل وحرکت کرتا ہے اور وہ انسان جو مٹی اور گارے سے تیار شدہ کسی دکان میں نصب کیا ہوا ہوتا ہے جس پر پوشاک کی نمائش کی جاتی ہے، دونوں میں کیا فرق ہے؟ کیا آپ کومعلوم ہے کہ وہ رونے والی عورت جس کا بیٹا وفات پا چکا ہو اور وہ عورت جو اجرت لے کر روتی ہے، دونوں میں کیا فرق ہے؟ اور ان آنکھوں میں جو سرمہ لگا کر سیاہ کی گئی ہوں اور وہ آنکھیں جو قدرتی طور پر سیاہ ہوں، دونوں میں کیا فرق ہے؟ کیا آپ کومعلوم ہے کہ وہ تلوار جو میدان جنگ میں فوجی کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور وہ چوبی تلوار جو جمعہ کے دن خطیب کے ہاتھ میں ہوتی ہے، دونوں میں کیا فرق ہے؟ کیا آپ کومعلوم ہے کہ وہ لوگ جو زندگی کی سرگرمیوں میں نظر آتے ہیں اور وہ لوگ جو پردۂ سیمیں پر نظر آتے ہیں، دونوں میں کیا فرق ہے؟ کیا آپ کومعلوم ہے کہ

آواز اور صدائے بازگشت میں کیا فرق ہے؟ اگر آپ کو یہ معلوم ہے تو بعینہ یہی فرق دین حقیقی اور مصنوعی دین میں ہے۔

محققین ذہنی کاوشیں صرف کرتے ہیں۔ تاریخ داں اپنی کتابوں اور دستاویزات کی الٹ پلٹ میں اپنی توانائی خرچ کرتے ہیں تا کہ اس سبب کو دریافت کریں جس کی وجہ سے مسلمان اپنے دور آغاز میں حیرت انگیز جوہر دکھا گئے۔ انھوں نے جنگیں لڑیں، فتح حاصل کی اور قیادت سنبھالی۔ جب کہ مسلمانوں نے اپنے آخری زمانہ میں بھی عجیب وغریب کردار کا مظاہرہ کیا، کہ وہ کمزور و پسپا ہو گئے، ذلت و رسوائی کا سامنا کیا اور گھٹنے ٹیک دیئے۔ حالانکہ قرآن وہی قرآن ہے، اسلام کی وہی تعلیمات موجود ہیں۔ کلمہ لاالہ إلا اللّٰہ بھی وہی لاالہ إلا اللّٰہ ہے۔ ہر ایک چیز بعینہ وہی ہے۔ اس کی توجیہ بیان کرنے میں لوگ اب مختلف زاویۂ نظر اختیار کرتے ہیں اور مختلف پہلوؤں سے اس کا تجزیہ کرتے ہیں۔ جب کہ میں اس پس منظر میں صرف ایک ہی وجہ پاتا ہوں اور وہ ہے دین حقیقی اور مصنوعی دین کا فرق۔

مصنوعی دین محض حرکات وسکنات اور الفاظ پر مشتمل ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ جب کہ دین حقیقی روحانیت کا دین ہے۔ قلبی تعلق کا دین ہے اور ایمانی حرارت کا دین ہے۔ (ڈاکٹر احمد امین)

1.5.2 نثر فنی

نثر فنی کا دوسرا نام نثر ادبی ہے۔

نثر کی اس قسم میں صاحب کلام اپنے تجربات واحساسات کو اس انداز سے پیش کرتا ہے کہ مخاطب کا دل ودماغ اس سے براہ راست اثر قبول کرے۔ اسی لئے اس کو فنی طریقہ کہتے ہیں کہ انداز بیان میں قوت اور تاثیر ہوتی ہے۔ صاحب کلام کو اپنے طرز بیان سے متاثر کرنے کا فن حاصل ہوتا ہے۔ بیان میں لطافت اور بلاغت ہوتی ہے۔ زبان میں کشش ہوتی ہے۔ اسلوب میں تنوع ہوتا ہے۔ معنی میں نیا پن اور انفرادیت ہوتی ہے۔ ذہن میں اس کے نقوش ثبت ہو جاتے ہیں۔ نثر کا یہ اسلوب صاحب کلام کی داخلی استعداد اور ذوق لطیف پر مبنی ہوتا ہے۔ نثر فنی کے ماہر اور مصور کے درمیان فرق یہ ہوتا ہے کہ مقدم الذکر اپنے حسن اسلوب اور خوبصورت الفاظ کے ذریعہ معانی میں قوت اور جاذبیت پیدا کرنا ہے۔ تعبیر میں اثر انگیزی اور سحر آفرینی ہوتی ہے۔ مخاطب سن کر لذت وفرحت کی بہار محسوس کرتا ہے۔ طبیعت گلزار ہو جاتی ہے۔ جب کہ مؤخر الذکر اپنے آلات اور رنگ وروغن کے ذریعہ یا قلم کی لکیروں سے تصویر میں کشش پیدا کرتا ہے۔ رنگوں کے انتخاب وتناسب سے اسے رونق بخشتا ہے۔ اس کے حسین امتزاج سے نگاہوں کو متحیر کر دیتا ہے۔

نثر فنی کا صاحب کلام الفاظ ومعانی کی طاقت وتاثیر سے بخوبی واقف ہوتا ہے۔ چنانچہ موقعہ کی مناسبت سے

الفاظ کا انتخاب کرتا ہے۔ان میں روح پھونک دیتا ہے۔شعور و وجدان کی تہوں میں ہلچل بپا کر دیتا ہے۔الفاظ میں کبھی موسیقیت ہوتی ہے،تو کبھی نغمہ سرائی کا احساس ہوتا ہے۔کبھی معانی میں مقناطیسی لہر اور جذبات میں حرارت پائی جاتی ہے۔اس نوع کی نثر خطابت میں، وصف میں،خطوط میں، ناول اور قصوں میں نظر آتی ہے۔ ماضی میں اس طرز کی نثر خطوط،خطابت،ضرب الامثال اور اقوال زریں (حکمت کی باتیں) تک محدود تھی۔ بعد میں زمانہ کی رفتار کے ساتھ اس کا دائرہ بھی وسیع ہوتا گیا۔لہٰذا مقامات،سفرنامے، قصے اور ناول بھی اس اسلوب کا مظہر قرار پائے۔

نثر فنی کی بھی دو قسمیں ہیں:

1. نثر وصفی 2. نثر انشائی

نثر وصفی:

اس نثر کو کہتے ہیں جس میں صاحب کلام کسی ہیئت یا کسی واقعہ کی منظر کشی کرتا ہے۔اس کے خط وخال یا تفصیلات کو الفاظ کے حسن سے آراستہ کرتا ہے۔اس کی خصوصیات کو امتیازی شان کے ساتھ اس انداز سے پیش کرتا ہے کہ ذہن ان الفاظ کے دوش پر سفر کرتا ہوا موضوع کلام تک پہونچ جائے۔ چنانچہ مخاطب کی آنکھوں کے سامنے بعینہ وہی تصویر ابھر آتی ہے جو صاحب کلام پیش کرنا چاہتا ہے۔اس طرح مخاطب خود کو اس منظر یا موقعہ کا ایک حصہ تصور کرنے لگتا ہے۔ الفاظ و معانی کا حسن انسجام طبیعت میں حرکت پیدا کر دیتا ہے۔تمثیل وتشبیہ کے ذریعہ عبارت کو زینت عطا کی جاتی ہے۔ اور مخاطب یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ صورتحال کا بذات خود مشاہدہ کر کے براہ راست اثر قبول کر رہا ہے۔

نثر وصفی کا نمونہ:

عن أبی مالکٍ الأشعَرِیّ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: یأیُّھا الناسُ اسمَعُوا واعلَموا، أنّ للّٰہِ عزّو جلّ عبادا لیسُوا بأنبیاءَ، ولاشھداءَ ، یَغبِطُھم الأنبیاءُ والشھداءُ علی مجالِسِھم وقُربِھم من اللّٰہ. فَجاء رجلٌ من الأعراب من قاصِیۃِ الناس وألوَیٰ بیَدِہ إلی نبیِّ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم، فقال: یا نبیَّ اللّٰہ ! ناسٌ من الناس لیسُوا بأنبیاءَ ولا شھداءَ، یغبطَھم الأنبیاءُ والشھداءُ علی مجالسھم وقربھم من اللّٰہ ، انعَتُھم لنا یعنی صِفھم لنا، فسُرَّ وجہُ رسولِ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لسُؤالِ الأعرابی، فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: ھُم ناس مِن أفناءِ الناسِ، ونَوازِعِ القبائلِ، لم تَصِلْ بینَھُم أرحامٌ مُتقاربۃٌ، تَحابُّوا فی اللّٰہِ وتَصافُّوا، یضعُ اللّٰہ

لهم يومَ القِيٰمة مَنابِرَ من نور فِيُجلِسهُم عليها، فيَجعلُ وجوهَهم نورا، وثيابَهم نورا، يفزَعُ الناسُ يوم القيمة ولايفزَعون، وهم أاولياءُ اللّٰه الذين لاخوفٌ عليهم ولاهم يحزنون. (رواه أحمد)

ترجمہ: حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے۔انھوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا کہ آپؐ نے فرمایا: اے لوگو! سنواور سمجھ لو،اور جان لو کہ اللہ کے کچھ ایسے بندے ہیں جو نہ ہی انبیاء ہیں اور نہ شہداء ہیں۔اللہ سے ان کی قربت پر اور اللہ کے یہاں ان کے مرتبہ پر خود انبیاء اور شہداء رشک کریں گے۔تو گاؤں کے باشندوں میں سے ایک صاحب مجمع کے آخری حصہ سے کھڑے ہوئے اور اللہ کے نبی کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے دریافت کیا! اے اللہ کے نبی! لوگوں میں سے کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو نہ انبیاء ہوں گے اور نہ ہی شہداء۔اللہ سے ان کی قربت پر اور اللہ کے یہاں ان کے مرتبہ پر خود انبیاء اور شہداء رشک کریں گے۔ہمیں ان کی پہچان بتا دیجئے۔ گاؤں کے صحابی کے اس سوال پر آپؐ کے چہرہ سے مسرت ظاہر ہونے لگی، پھر آپؐ نے فرمایا: وہ ایسے لوگ ہیں جو گمنام ہوں گے (یعنی لوگوں میں معروف نہیں ہوں گے)۔مختلف قبائل سے آئے ہوئے ہوں گے۔ان کے بیچ کسی قسم کی قریبی رشتہ داری کا ناطہ نہیں ہوگا۔وہ لوگ آپس میں اللہ کے لئے محبت کریں گے۔وہ باہم محبت میں مخلص ہوں گے۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان کے لئے نور کے تخت رکھے گا پس ان پر انھیں بٹھائے گا۔پھر ان کے چہروں کو پرنور بنا دے گا،ان کے لباس کو نور سے آباد کر دے گا۔قیامت کے روز جب لوگ گھبراہٹ کے عالم میں ہوں گے،ان لوگوں میں گھبراہٹ نہیں ہوگی۔یہ اللہ کے دوست ہوں گے جنھیں نہ ہی کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی وہ غمزدہ ہوں گے۔

نثر انشائی:

نثر فنی کی دوسری قسم نثر انشائی ہے۔

جس نثر میں صاحب کلام زندگی کے تجربات سے براہ راست متاثر ہوکر اپنے تاثرات یا خیالات کو ترتیب دیتا ہے اس نثر کو نثر انشائی کہتے ہیں۔صاحب کلام اس میں اپنے تصورات اور زاویۂ فکر کا اظہار کرتا ہے۔کسی واقعہ کے تئیں یا کسی منظر سے متاثر ہوکر اپنے احساسات قلم بند کرتا ہے۔

نثر انشائی میں صاحب کلام تخیلات کی دنیا میں پرواز کرتا ہے۔جذبات کی رو میں الفاظ کو استعمال کرتا ہے۔کوئی ضروری نہیں کہ اس کی باتیں اور اس کے خیالات حقائق پر مبنی ہوں۔کبھی افسانوی انداز میں اپنے خیالات پیش کرتا ہے تو کبھی طرز گفتگو شاعری سے مشابہ ہوتا ہے۔لیکن وہ شاعری نہیں ہوتی ہے۔کیونکہ اس میں وزن اور قافیہ کا اہتمام نہیں کیا

جاتا ہے۔

نثر کے اس فنی اسلوب میں قوت بیان اور جاذبیت ہوتی ہے۔الفاظ پرکشش ہوتے ہیں جو دل پر اثر انداز ہوتے ہیں۔معانی میں لطافت وحرارت ہوتی ہے۔رگوں میں احساس کی لہر دوڑ پڑتی ہے۔معانی کا پرتو مخاطب کے خدوخال پرعیاں ہونے لگتا ہے۔دل کی چاہت بڑھتی جاتی ہے۔رغبت میں اضافہ ہونے لگتا ہے۔مخاطب اس اسلوب سے اس قدر متاثر ہوتا ہے کہ اطراف واکناف سے بالکل بےخبر اور بے نیاز ہوجاتا ہے۔اس نوع کی نثر کے ذریعہ فکر کی بلندی،خیال کی رعنائی،تخیل کا انوکھا پن،شعور میں جدت وانفرادیت کا پتہ چلتا ہے۔مخاطب معنی ومفہوم کی وسعتوں میں گم ہوجاتا ہے۔تعبیرات کا یہ سلسلہ رگ وپے میں لطف کی بہار پیدا کردیتا ہے۔روح کو تازگی میسر ہوتی ہے اور طبیعت میں بشاشت کی کلیاں کھلنے لگتی ہیں۔

نثرانشائی کانمونہ:

فی تِلکَ الدَقیقةِ ظهَرَتْ مِن وَراءِ أشجار الصَفّصَافِ صَبیّةٌ تَجُرُّ أذیالَها علی الأعشابِ ، ووقَفَتْ بجانب الفَتَی ووضَعَتْ یدَها الحَریریةَ علی رأسِهِ ، فنظَر إلیها نَظرةَ نائمٍ أیْقظه شُعاعُ الشمسِ، فرأی ابنةَ الأمیرِ واقفةً حذاءَه فجثا علی رُکْبَتَیهِ مِثلَما فعَل مُوسی عندما رأی العَلِیقةَ مُشتعِلةً أمامَه ، ولمّا أراد الکلامَ أرتَجَّ علیه فنابَتْ عَیناه الطافِحتان بالدَمْع عن لِسانِه.

ثُمّ عانقَتْه الصبیةُ وقبَّلتْ شفَتَیه، وقبّلت عینَیه راشِقةَ المَدامِع السَّخینةِ ، وقالت بصوتٍ ألطفَ مِن نغْمةِ النَایِ : " قد رأیتُکَ یا حبیبی فی أحلامی ، ونظرتُ وجْهَکَ فی وحدتی وانقِطاعی ، فأنت رفیقُ نفسی الذی فقَدْتُه ، ونِصفِی الجمیلُ الذی انفصَلْتُ عنه عندما حُکِم علیّ بالمَجیءِ إلی هذاالعالمِ . قد جِئتُ سرّاً یا حبیبی لألتقِیَ بکَ ، وها أنت الآن بین ذِراعِی فلا تَجْزَع! قد ترکتُ مَجْدَ والدی لأتبعَکَ إلی أقاصِی الأرضِ وأشرَبَ معکَ کأسَ الحیاة والمَوتِ. قُمْ یا حبیبی فنذ هَبُ إلی البرِّیّة البعیدةِ عن الإنسان."

ومشَی الحبیبانِ بین الأشجار تُخْفِیهما سَتائرُ اللیلِ ولایُخِیفُهما بَطْشُ الأمیرِ ولاأشباحُ الظُلمة. هناک فی أطرافِ البِلاد عَثَرَ رُوّادُ الأمیر علی هَیْکَلَینِ بَشَرِیَّینِ فی عُنُق أحدِهما قِلادةً ذهْبیةً، وبقُرْبِهما حَجَرٌ کُتِبتْ علیه هذه الکلماتُ:

قد جمَعَنا الحُبُّ فمَن يُفرّقُنا ، وأخَذَنا الموتُ فمَن يَرجِعُنا ؟.

(دمعة وابتسامة ، حكاية، بحبران خليل جبران)

ترجمہ: اسی لمحہ واہ درختوں کے پیچھے سے ایک بچی سبزہ زار پر اپنے دامن سمیٹتی ہوئی نمودار ہوئی اور نوجوان کے پاس آ کر کھڑی ہوگئی۔اس نے اپنے ریشمی ہاتھوں کو اس کے سر پر رکھا۔نوجوان نے اس کی طرف اس شخص کی طرح نگاہ اٹھائی جس کو سورج کی شعاعوں نے ابھی بیدار کیا ہو۔اس نے دیکھا کہ سردار کی بیٹی اس کے پاس کھڑی ہے تو گھٹنوں کے بل اچھل پڑا۔جس طرح موسیٰ اچھل پڑے تھے، جب انھوں نے اپنے سامنے جھاڑیوں میں آگ روشن دیکھی۔اس نوجوان نے جب بات کرنے کا ارادہ کیا تو اس پر لرزش طاری ہوگئی۔تبھی پرنم آنکھوں نے خاموش زبان کی نمائندگی کی۔

پھر اس بچی نے اسے گلے لگایا۔اس کے ہونٹوں کو بوسہ دیا۔اس کی آنکھوں کو بوسہ دیا جن سے گرم گرم آنسو جھڑ رہے تھے۔پھر دور سے آنے والے بانسری کے نغمہ سے بھی نرم آواز میں اس نے کہا:

''میرے محبوب میں نے تمہیں خوابوں میں دیکھا ہے۔اپنی تنہائی میں اور اکیلے پن میں میں نے تمہارے چہرہ کا مشاہدہ کیا ہے۔تم ہی میری زندگی کے ساتھی ہو، جسے میں کھو بیٹھی تھی۔تم ہی میرے نصف جمیل ہو جس سے میں اس وقت سے دور ہوں جب اس دنیا میں میرے آنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔میرے محبوب میں چھپ کر تم سے ملنے چلی آئی ہوں۔اور اب تم میری بانہوں میں ہو۔تم پریشان مت ہونا۔میں نے اپنے والد کی شان وشوکت کو چھوڑ دیا ہے تاکہ تمہارے ساتھ روئے زمین کی آخری حد کی طرف نکل جاؤں اور تمہارے ساتھ ہی زندگی اور موت کا جام پیوں۔میرے محبوب! اٹھو، ہم چلیں ایسی سرزمین کی طرف جو انسانوں سے دور ہو''۔

دونوں محبوب درختوں سے گزرتے ہوئے چل پڑے۔رات نے ان پر اپنی چادر تان کر انہیں اپنی آغوش میں لے لیا تھا۔انہیں نہ ہی سردار کے دبدبہ کا خوف تھا، نہ ہی اندھیروں کے سائے کا۔

ملک کے اطراف میں سردار کے آدمیوں کو دو انسانی ڈھانچوں کا سراغ ملا۔ان میں سے ایک کے گلے میں سونے کا ہار تھا۔اور قریب ہی ایک پتھر پر یہ الفاظ لکھے تھے۔

''محبت نے ہمیں ایک ساتھ کر دیا ہے، اب ہمیں کون جدا کر سکتا ہے۔موت نے ہمیں اپنی پناہ میں لے لیا ہے۔اب ہمیں کون واپس لا سکتا ہے؟''۔

1.6 معلومات کی جانچ

1. کلام کسے کہتے ہیں؟
2. کلام کی کتنی قسمیں ہیں؟
3. نثری کلام سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟
4. نثر کا اسلوب کیسا ہوتا ہے؟
5. انسان اپنی فطرت کے اعتبار سے کس اسلوب میں بات کرتا ہے؟
6. نثر میں جملے کس طرز پر مرتب ہوتے ہیں؟

1.7 خلاصہ

انسان کی زبان سے جو بات نکلتی ہے اس کو کلام کہتے ہیں۔کلام کی دو قسمیں ہوتی ہیں: نثر اور نظم۔جس کلام میں وزن اور قافیہ کا اہتمام نہیں کیا جاتا ہے اس کو نثر کہتے ہیں۔انسان جب بولنا سیکھتا ہے تو نثر کے اسلوب میں ہی بات چیت کرتا ہے۔چنانچہ نثر زبان وادب کا سب سے ابتدائی مرحلہ ہوتا ہے۔جوں جوں انسانی معاشرہ میں معلومات اور تجربات کا اضافہ ہوتا جاتا ہے،نثر کے انداز میں اور معیار میں فروغ ہوتا چلا جاتا ہے۔انسان کو اپنی بات رکھنے کا منطقی اسلوب حاصل ہوتا ہے۔انسانی تہذیب وتمدن میں جیسے جیسے ترقی ہوتی جاتی ہے ویسے ویسے کلام کے ذوق میں نکھار پیدا ہوتا جاتا ہے۔خیالات کے اظہار کے لئے فنی طریقہ کا شعور پروان چڑھنے لگتا ہے۔ذہن میں موجود خاکہ کو نہایت خوبصورتی اور جاذبیت کے ساتھ پیش کرنے کا سلیقہ میسر آتا ہے۔الفاظ کا انتخاب ایسی خوبی اور مہارت کے ساتھ کیا جاتا ہے کہ مخاطب کے سامنے مقصود کلام کما حقہ واضح ہو جاتا ہے۔

نثر کی مرحلہ وار ترقی کی بنیاد پر اس کی تقسیم عمل میں آتی ہے۔بنیادی طور پر نثر کی دو قسمیں ہوتی ہیں: نثر مرسل اور نثر فنی۔نثر مرسل زبان کے فروغ میں سب سے پہلا مرحلہ قرار پاتا ہے۔نثر کی یہ قسم رواں اور بے تکلف انداز کلام پر مشتمل ہوتی ہے۔جملے عام فہم ہوتے ہیں۔نثر مرسل کی ضمنی طور پر دو قسمیں ہوتی ہیں: نثر بسیط اور نثر علمی۔نثر بسیط اس نثر کو کہتے ہیں جس میں عمومی طرز پر اظہار خیال کیا جاتا ہے۔سادہ گفتگو اور روزمرہ کے تبادلۂ خیال کو اس قسم میں شامل کیا جاتا ہے۔دوسری قسم نثر علمی ہے۔اس قسم کی نثر میں علمی موضوعات پر گفتگو ہوتی ہے۔جذبات کے بجائے عقل وفکر کو مخاطب کیا جاتا ہے۔کسی مسئلہ کا تجزیہ کیا جاتا ہے یا کسی نقطہ کی تشریح کی جاتی ہے۔نیز کسی بحث میں اپنے موقف کی

وضاحت کی جاتی ہے۔نثر کی اس قسم میں صاحب کلام حقائق و دلائل کی روشنی میں بات کرتا ہے۔ مذاکرہ کو منظّم طریقہ سے ترتیب دیتا ہے۔ منطقی پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہوئے سلسلۂ کلام پایۂ تکمیل تک پہونچا دیتا ہے۔

نثر کی دوسری قسم نثر فنی ہے۔اس نوع میں صاحب کلام انداز بیان کا فنی طریقہ اختیار کرتا ہے تا کہ مخاطب کلام کی جاذبیت اور سحر آفرینی میں گم ہو جائے۔ موضوع کلام کی تصویر بعینہ مخاطب کی نگاہوں میں گردش کرنے لگے۔اور مخاطب غرض کلام کی رو میں بہہ جائے۔نثر فنی کی بھی ضمنی طور پر دو قسمیں ہوتی ہیں: نثر وصفی اور نثر انشائی۔نثر وصفی میں کسی چیز کی یا ہیئت کی، یا احوال کی منظر کشی کی جاتی ہے۔صورتحال کی صحیح نمائندگی کے لیے الفاظ کے انتخاب کا فن دکھایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ مخاطب خود کو اس منظر کا ایک حصہ تصور کرنے لگتا ہے۔نثر فنی کی دوسری قسم نثر انشائی ہے۔اس میں صاحب کلام اپنی فنکارانہ صلاحیتوں کا اظہار کرتا ہے۔خیال میں رعنائی پائی جاتی ہے۔تعبیر میں کشش ہوتی ہے۔اس اسلوب سے مخاطب کے جذبات میں ہلچل بپا ہو جاتی ہے۔اس قسم کی نثر میں شعور و وجدان کو خطاب کیا جاتا ہے۔ جذبات ونفسیات کے تاروں کو حرکت دی جاتی ہے۔اور مخاطب کو اپنے زاویۂ فکر کا ہم نوا و ہم خیال بنا لیا جاتا ہے۔

1.8 نمونہ کے امتحانی سوالات

1. نثر کے لغوی اور اصطلاحی معنی پر مفصل روشنی ڈالئے۔
2. نثر کی قسمیں بیان کیجئے۔
3. نثر بسیط کسے کہتے ہیں وضاحت کیجئے۔
4. نثر علمی پر تشفی بخش انداز میں بحث کیجئے۔
5. نثر فنی کی خصوصیات کیا ہیں؟ ایک جائزہ پیش کیجئے۔
6. نثر وصفی سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟ متعارف کیجئے۔
7. نثر انشائی سے متعلق اپنی معلومات قلم بند کیجئے۔

1.9 فرہنگ

دَرَی	یَدرِی	دِرایۃ	جاننا، واقف ہونا، معلومات رکھنا
سَدَّ	یسُدُّ	سُدوداً	بند کرنا، حفاظت کرنا

ثَغْر	ج	ثُغُور	سرحد
اتَّقى	يتَّقِي	اتقاءً	بچنا، الگ رہنا
مَكرَه	ج	مكارِهُ	ناپسندیدہ احوال، ناخوشگوار حالات
قضىٰ	يقضِي	قضاءً	پورا کرنا
أتىٰ	يأتي	اتيان	آنا، جانا
حيَّ	يُحَيّ	تحيّةً	سلام کرنا
نِعْمَ			کیا ہی خوب
عُقبَى			انجام
طاف	يطُوف	طَوافا	پھرنا، چکر لگانا
التمس	يلتمس	التماسا	تلاش کرنا، ڈھونڈنا
تنادَى	يتنادَى	تنادِيا	باہم ایک دوسرے کو آواز دینا، بلانا
هلُمّوا			ادھر آؤ (جمع کے لئے)
حفَّ	يحُفَّ	حُفوفا	ڈھانپ لینا
جَناح	ج	أجنِحة	پر، پنکھ
مجَّد	يمجِّد	تمجيدا	عظمت بیان کرنا
تعَوَّذ	يتعَوّذ	تعوُّذا	پناہ لینا
فرَّ	يفِرّ	فِرارا	بھاگنا
جليسٌ	ج	جُلَساء	ہم نشین
شقِي	يشْقىٰ	شقيا	نامراد ہونا، ناکارہ ہونا، محروم ہونا
انتهب	ينتهب	انتهابا	لٹ جانا، ظلم کا شکار ہو جانا
أمَلٌ	ج	آمال	امیدیں
اعتدى	يعتدي	اعتداء	ظلم کرنا، سرکشی کرنا، حد سے تجاوز کرنا

انقبض	ينقبض	انقباضا	محدود رہنا، حرکت نہ کرنا، آگے نہ بڑھنا
قعَد	يقعُد	قعُودا(عن)	کام دھام چھوڑ کر بیٹھے رہنا
ابذعرَّ	يبذعِرُّ	ابذعرارا	منتشر ہو جانا، پھیل جانا
الإ يالة			وادی، صوبہ، سلطنت کا کوئی حصہ
اختلّ	يختلّ	اختلالا	خلل واقع ہونا، استحکام کھو دینا
العُمران			آبادی
نفَق السوقُ			بازار شباب پہ ہونا
كسَدَ السوق			بازار سست چلنا
انتفَض	ينتفِض	انتِفاضا	بحران کھڑا ہونا، نظام ابتر ہونا
ذراع	ج	أذرع	بانھ، ہاتھ
جزِع	يجزَع	جَزَعا	گھبرانا
البَرِّية			صحراء، وادی

1.10 مطالعہ کے لیے معاون کتابیں

1. عربی ادب کی تاریخ از پروفیسر عبدالحلیم ندوی
2. عربی ادب کی تاریخ از احمد حسن زیات/ ترجمہ طفیل احمد مدنی
3. الأدب العربی بین عرض ونقد از محمد رابع الحسنی الندوی
4. عربی ادب کی تاریخ از محمد کاظم

اکائی 2 عصر جاہلی میں عربی نثر کا نشو ونما

اکائی کے اجزاء

2.1 مقصد

2.2 تمہید

2.3 عصر جاہلی

2.4 عربوں کے تجربات

2.5 عربوں میں تحریر کے آثار

2.6 جاہلی دور میں لکھنے کا رواج

2.7 صحیفوں کا وجود

2.8 طرفہ بن عبد کی موت میں خط کا کردار

2.9 نثر جاہلی میں قصوں اور کہانیوں کا تذکرہ

2.9.1 عصر جاہلی میں قصوں کی نوعیت

2.9.2 نضر بن الحارث کا واقعہ

2.9.3 المرقش الاکبر کا قصہ

2.9.4 نثر جاہلی میں قصہ کی اہمیت

2.10 معلومات کی جانچ

2.11 خلاصہ

2.12 نمونہ کے امتحانی سوالات

2.13 فرہنگ

2.14 مطالعہ کے لیے معاون کتابیں

عصر جاہلی میں عربی نثر کا نشو ونما

2.1 مقصد

☆ اس اکائی سے عربوں کے یہاں تحریر کے متعلق واقفیت حاصل ہوگی۔

☆ عرب کے دور جاہلی میں لکھنے پڑھنے کے احوال کا پتہ چلے گا۔

☆ یہ معلوم ہوگا کہ عربوں نے کس طرح اپنی زبان کی حفاظت کی۔

☆ ناموافق حالات کے باوجود عربی نثر کے فروغ کا اندازہ ہوگا۔

☆ عربی نثر کی خوبیوں اور امتیازی شان سے شناسائی حاصل ہوگی۔

2.2 تمہید

عربی زبان ایک تاریخی زبان ہے۔مؤرخین کا اعتراف ہے کہ اس زبان کی جڑیں تاریخ کی گہرائیوں میں اتنی دور تک پیوست ہیں کہ یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ اس کا نقطۂ آغاز کہاں ہے؟ زبان کے ماہرین کا کہنا ہے کہ عربی زبان کا جو قدیم ترین سرمایہ دستیاب ہوسکا ہے وہ بعثت نبوی سے ڈیڑھ سو سال قبل تک کا ہے۔اس کے آگے کے متعلق ابھی تک کوئی اطلاع نہیں ہے۔تاریخ کے حوالہ سے عربی زبان کا جو بھی سرمایہ موجود ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ زبان فکر وادب کے اعتبار سے معیاری سطح پر پہونچی ہوئی تھی۔انداز بیان میں پختگی اور فصاحت پائی جاتی ہے۔چنانچہ مؤرخین کے حلقہ میں یہ سوال مستقل اہمیت کا حامل ہے کہ عربی زبان کی ابتداء کب اور کہاں ہوئی؟ قرائن کی بنیاد پر ماہرین زبان تسلیم کرتے ہیں کہ یہ زبان جزیرہ نمائے عرب میں پروان چڑھی اور مکہ کی سرزمین میں قبیلہ قریش کی سرپرستی میں اس کو امتیازی اور معیاری مقام حاصل ہوا۔اسلام سے قبل کا زمانہ جو عصر جاہلی کہلاتا ہے۔اس دور کے نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ زبان رواں دواں اور سرسبز وشاداب تھی۔اہل زبان اپنے خیالات کا بحسن وخوبی اور واضح طور پر اظہار کرتے تھے۔زبان کے فہم وادراک کا معیار بھی کافی ممتاز تھا۔زبان پر قدرت اور بیان میں وسعت نے ان کے اندر اس قدر اعتماد پیدا کردیا تھا کہ وہ خود کو عرب کہتے تھے،جس کا معنی ہے ''صاحب بیان''۔یعنی کسی بھی موضوع پر اظہار خیال کے لیے انھیں قدرت حاصل ہے۔اور جس علاقہ میں یہ زبان نہیں بولی جاتی تھی اس کو عجم کہتے تھے،جس کا معنی ہے ''گونگوں کا علاقہ''۔اسی سے ماخوذ عجمی ہے جس کا معنی ہے ''گونگا''۔یعنی غیر عرب کو اظہار خیال پر قدرت حاصل نہیں ہے۔اہل

عرب کو اس بات پر فخر تھا کہ قوت بیان کے ماہر وہی ہیں۔ ان کے پاس بات کو جس انداز سے چاہیں پیش کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ تاریخی طور پر اگر جائزہ لیا جائے تو اس میں حقیقت کے آثار بھی نظر آتے ہیں۔ زبان نہایت شگفتہ اور دل آویز ہے۔ اس زمانہ کے نصوص بدرجۂ اتم اس امتیازی شان کی نمائندگی کرتے ہیں۔

2.3 عصر جاہلی

بعثت نبویؐ سے پہلے کے زمانے کو عصر جاہلی کہا جاتا ہے۔ اسلام کے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت غار حراء میں پہلی وحی مبارک سے ہوئی۔ اس وحی میں لفظ ''اقرأ'' کے ذریعہ علم و معرفت کو نور پھیلا۔

یہ معلوم رکھنا ضروری ہے کہ عصر جاہلی میں جو لفظ ''جاہلی'' کا استعمال ہے یہ اس جہالت کے معنی میں نہیں ہے جس کا معنی غیر دانشمند یا نا اہل ہے۔ بلکہ غصہ، بے وقوفی اور طیش کے معنی میں ہے۔ جو کہ لفظ اسلام کی ضد ہے۔ کیونکہ اسلام کے معنی ہیں اللہ کے سامنے خود سپردگی، اس کی اطاعت و فرمانبرداری، سلوک میں نرمی اور کریمانہ اخلاق۔

لفظ ''جہل'' اور ''جاہلیۃ'' کا استعمال قرآن میں، حدیث میں اور عربی شاعری میں بھی ہوا ہے جس کے معنی لاعلمی اور نا اہلی کے بجائے جوش، غصہ، طیش اور مزاج کی سختی سے لئے گئے ہیں۔ کیونکہ اس دور کے لوگوں میں طبیعت کی سختی پائی جاتی تھی۔ مزاج میں شدت اور درشتگی غالب رہتی تھی۔ قرآن کی آیتوں میں اس کا معنی بخوبی سمجھ میں آتا ہے۔ ''**خذ العفو و أمر بالعرف و أعرض عن الجاهلين**''۔ (سورۃ الاعراف 199)

ترجمہ: ''آپ عفو و درگزر کیجئے، اچھی باتوں کا حکم کیجئے اور جاہلوں سے اعراض کیجئے''۔

اس آیت میں جاہلوں کا استعمال عفو و درگزر اور اچھی باتوں کے بالمقابل ہوا ہے۔ آپ کو ہدایت دی جارہی ہے کہ جو لوگ آپ کے ساتھ سخت رویے سے پیش آتے ہیں اور غیر اخلاقی سلوک کا مظاہرہ کرتے ہیں آپ ان سے اعراض کیجئے۔ ایک دوسری آیت میں ارشاد خداوندی ہے ''**وعباد الرحمن الذين يمشون على الأرض هونا و إذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلاما**'' (سورۃ الفرقان 63) ترجمہ: اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر سنجیدگی اور وقار کے ساتھ چلتے ہیں (ان کے اندر نرمی اور بردباری ہوتی ہے)۔ اور جب جاہل لوگ انہیں مخاطب کرتے ہیں تو وہ ان سے سلامتی کی بات کرتے ہیں (یا سلام کر کے گزر جاتے ہیں)۔ یہاں بھی لفظ جاہلوں کا استعمال سنجیدگی اور وقار والے لوگوں کے بالمقابل ہوا ہے۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ جاہلوں سے اَن پڑھ یا لاعلم لوگ مراد نہیں ہیں۔

حدیث نبویؐ میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوذرؓ نے کسی شخص کو اس کی ماں کے واسطہ سے عار دلائی تو آپؐ نے

حضرت ابوذرؓ سے کہا: ''**انک امرؤ فیک جاھلیة** ''(**رواہ البخاری ومسلم**) ترجمہ: ''تم ایسے آدمی ہو جس میں جاہلیت پائی جاتی ہے''۔عمرو بن کلثوم جاہلی دور کا شاعر ہے۔اپنے معلقہ میں جہل سے متعلق ایک شعر کہتا ہے۔

ألا لا یَجھلَنَّ أحد علینا فنَجھلَ فوقَ جھلِ الجاھلینا

خبردار! ہمارے خلاف کوئی طیش کا مظاہرہ نہ کرے۔ورنہ ایسے احمقوں کے بالمقابل ہم بھی طیش میں آ گے نکل جائیں گے۔

مذکورہ بالا نصوص میں لفظ جہل کا استعمال بے وقوفی ،احمقانہ حرکت،غصہ اور طیش کے معنی میں ہوا ہے۔اس لفظ کے معنی میں بت پرستی اور ایسے اخلاق بھی شامل ہیں جن میں جوش ،غضب ، انتقام کا مزاج ، اور اسلام کے حرام کردہ طریقۂ کار کا ارتکاب پائے جاتے ہیں۔

2.4 عربوں کے تجربات

عرب کی سرزمین میں گرچہ لکھنے پڑھنے کا ماحول عمومی طور پر نہیں پایا جاتا تھا۔تاہم زندگی کے تجربات کے اعتبار سے وہ لوگ پیچھے نہیں تھے۔ریگستان کے باشندے ہونے کی وجہ سے ضروریات زندگی کے لیے انہیں سفر کرنا پڑتا تھا۔جو لوگ بدوی زندگی گزارتے تھے وہ کسی ایک جگہ مستقل قیام نہیں کرتے تھے بلکہ موسم کے اعتبار سے جہاں کہیں چراگاہ وسبزہ نیز پانی کا انتظام دیکھا ، قیام کر لیتے تھے۔جب سبزہ ختم ہو جاتا تو دوسری جگہ کی تلاش میں نکل جاتے تھے۔اور جہاں کہیں سبزہ نظر آتا وہاں پڑاؤ ڈال دیتے تھے۔اس طرح ان کی زندگی مستقل نقل وحرکت میں رہتی تھی۔اس نقل و حرکت کی وجہ سے انہیں موسم کی تبدیلیوں کا خاصا علم حاصل تھا، ہواؤں کے جھونکوں سے موسم کی تبدیلی کا اندازہ لگا لیتے تھے۔چنانچہ بارش کے آثار، چراگاہوں کے امکانات کا انہیں بخوبی اندازہ رہتا تھا۔رات ہوتی تو آسمان کے نقشہ اور ستاروں کی حرکت سے احوال کی خبر حاصل کرتے تھے۔رات میں سفر کرتے وقت منزل کی راہ کے لئے ستاروں سے رہنمائی حاصل کرنے کا فن انہیں معلوم تھا۔دوران سفر حالات کے اتار چڑھاؤ کی وجہ سے ان کی زندگی میں تجربات کی کثرت تھی۔باتوں میں حکمت اور دانشمندی جھلکتی تھی دوست اور دشمن کے احوال بھانپ کر متنبہ ہو جاتے تھے۔غرض یہ کہ جاہلی دور کے عرب عمومی طور پر ناخواندہ ہونے کے باوجود بہت ساری خوبیوں اور خصوصیات کے مالک تھے۔ان خصائص کا پتہ ہمیں ان کے نصوص سے ملتا ہے، جو کبھی اشعار کی شکل میں ملتے ہیں،تو کبھی ضرب الامثال کی شکل میں۔ کبھی پند ونصائح کی شکل میں تو کبھی تقریروں اور خطابت کی شکل میں۔

2.5 عربوں میں تحریر کے آثار

حقیقت یہ ہے کہ مؤرخین کے پاس کوئی قطعی دلیل نہیں ہے جس کی بنیاد پر یہ کہا جائے کہ عصر جاہلی میں تاریخی یا ادبی تصنیفات موجود تھیں۔ تاہم اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس زمانہ میں عربی تحریریں موجود نہیں تھیں۔ شوقی ضیف نے تبصرہ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ حالیہ اکتشافات سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ حجاز کے علاقہ میں عربی تحریروں کا وجود تھا۔ یہ اکتشافات چھٹی صدی عیسوی کے احوال کا پتہ دیتے ہیں۔ حجاز کے علاقہ سے آگے بڑھ کر لکھنے کا یہ عمل عرب کے دیگر صحرائی علاقوں میں پہونچا۔ جس وقت اسلام کا نور پھیلا اس وقت مکہ مکرمہ میں سترہ (۱۷) کاتب موجود تھے اور مدینہ منورہ میں گیارہ۔ بدوی لوگوں میں جو لکھنا جانتے تھے ان میں اُکثم بن صیفی کا نام آتا ہے، جو قبیلۂ تمیم کا خطیب تھا اور بڑی حکمت والا تھا۔ اُکثم کے بھتیجہ کا نام حنظلہ بن ربیع تھا۔ آپؓ کا شمار حضور اکرم ﷺ کے کاتبوں میں ہوتا ہے۔ بدوی شعراء میں جو فن تحریر یا لکھنے کے عمل سے واقف قرار دیئے جاتے ہیں ان میں مرقّش اکبر کا نام آتا ہے جو قبیلۂ بکر سے تھا۔ اسی طرح لبید بن ربیعہ بھی لکھنا جانتے تھے جو مخضرمی شاعر کی حیثیت سے معروف ہوئے۔ آپؓ کا تعلق بنی عامر بن صعصعہ سے تھا۔

ان کے علاوہ کچھ احوال جاہلی دور کے شعراء سے بھی معلوم ہوتے ہیں کہ اس زمانہ میں لکھنے کا عمل معروف تھا۔ کیونکہ وہ اپنے اشعار میں تحریر سے تشبیہ دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر مرقّش کا شعر جو اپنے ایک قصیدہ کے مطلع میں بیان کرتے ہوئے ریت کے ٹیلوں کی منظر کشی کرتا ہے۔

الدار قفُر والرُسومُ كما　　　رقّش فى ظَهر الأديم قلمُ

ترجمہ: ''گھر تو ویران ہوگیا تاہم اس کے آثار کچھ اس طرح رہ گئے ہیں گویا قلم نے چمڑے پر نقش قائم کئے ہوں''۔

اس زمانہ میں کاغذ کا وجود نہیں تھا تو لوگ چمڑے پر لکھا کرتے تھے۔ اس شعر سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت قلم کے ذریعہ لکھنے کا عمل موجود تھا۔ کیونکہ قلم کے ساتھ چمڑے کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔ لبید بن ربیعہ کا شعر ہے جو معلقہ کے شروع میں آتا ہے۔ یہ صحابئِ رسول صلعم ہیں۔ کہتے ہیں:

عفت الديارُ محلُّها فمقا مُها　　　بمنىً تأبدّ غولُها ورِجامُها

فمدافعُ الرّيان عرّى رسمُها　　　خَلقاً كما ضمِن الوُحِيَّ سِلامُها

ترجمہ: بستی ویران ہوگئی، اس کے مہمان خانے اور قیام گاہیں بھی تباہ ہوگئیں جو منی میں تھیں۔ اس کے ٹیلے اور قبروں پر نصب کئے پتھر بھی نابود ہوگئے۔ پھر پانی کے چشموں کے آثار ایسے ہلکے پڑ گئے جس طرح پتھر نے تحریر کے نقوش کو خستہ کردیا۔

شاعر اس موقعہ پر اپنے دیار کے آثار مٹ جانے کا منظر پیش کررہا ہے۔ بتارہا ہے کہ زمانہ کی صبح وشام نے اس آبادی کو ایسا خستہ اور کمزور کردیا ہے کہ اس کے کچھ ہی نشانات زمین پر باقی رہ گئے ہیں جس طرح سفید پتھر پر تحریر کے بعد کچھ نقوش اور لکیروں کے علاوہ کچھ باقی نہیں رہتا ہے۔ الوُحیِّ کا معنی تحریر، نقش، اور السِلام کا معنی سفید پتھر یا ہڈی جس پر لکھنے کا عمل ہوتا تھا۔ عرب میں چمڑوں پر، پتھروں پر لکھنے کا عمل ہوتا تھا۔ ان کے علاوہ ہڈیوں پر اور کھجور کی چھال پر بھی لکھا کرتے تھے۔

لبید اپنے معلقہ میں آگے مزید قلم کی تحریر سے تشبیہ دیتے ہیں

وجلا السيولُ عن الطلولِ كأنها زُبُرتُجدُّ متونَها أقلامُها

ترجمہ: ٹیلوں کے اوپر سے پانی کے بہاؤ نے ایسا خط تیار کردیا ہے گویا کوئی صحیفہ ہے جس پر قلم نے متن کی تحریر ثبت کردی ہو۔

اخنس بن شہاب تغلبی کا شعر بھی اس پس منظر میں قابل ذکر ہے

لابنة حِطّانَ بن عوفٍ منازل كما رقّش العنوانَ فی الرَقِّ كاتبُ

ترجمہ: حِطان بن عوف کی بیٹی کے گھروں کی شکل ایسی معلوم ہوتی ہے گویا کسی کاتب نے باریک چمڑے پر عنوان قائم کردیا ہو۔

بدوی شعراء میں اس طرح کی تعبیرات اور اشعار واضح طور پر ملتے ہیں جو رہنمائی کرتے ہیں کہ اس دور میں لکھنے کے عمل سے واقفیت پائی جاتی تھی۔

2.6 جاہلی دور میں لکھنے کا رواج

اہل علم اس بات پر مکمل اتفاق رکھتے ہیں کہ جاہلی دور میں لکھنے کا رواج موجود تھا۔ بہر حال لکھنے کا رواج ہونا الگ بات ہے اور کتابی شکل میں معلومات کی تصنیف کرنا ایک الگ بات ہے۔ عرب لکھنا تو جانتے تھے لیکن لکھنے کا یہ عمل بہت محدود تھا۔ عمومی طور پر اس کا ماحول نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور کی کوئی کتاب نہیں پائی جاتی ہے۔ نہ ہی تحریری

شکل میں کسی نثرفنی کا ثبوت ملتا ہے اور نہ ہی کسی ادبی خط کا حوالہ ملتا ہے۔ ہاں ! کچھ خطوط کا تذکرہ آتا ہے جو تجارتی اور سیاسی مقاصد کے لئے لکھے جاتے تھے۔ مکہ مکرمہ چونکہ تجارتی طور پر مرکز کا درجہ رکھتا تھا لہٰذا اگر آثار و قرائن کے ذریعہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہاں لکھنے کا رواج پایا جاتا تھا تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ عربی زبان کا مشہور و معروف ادیب جاحظ نے اپنی کتاب ''الحیوان'' میں تذکرہ کیا ہے کہ اس زمانہ میں عرب سیاسی اغراض کے لیے معاہدے تحریر کرتے تھے۔ عہدنامے کی اس تحریری شکل کو ''مہارق'' کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ مہارق کا تذکرہ حارث بن حلزۃ کی شاعری میں بھی آیا ہے۔ اپنے معلقہ میں بکر و تغلب کے درمیان معاہدہ کے حوالہ سے شاعری کرتے ہوئے کہتا ہے۔

واذكرواحِلفَ ذى المجاز وما قُ　　　دِّم فيه العُهودُ والكُفلاءُ

حذرَ الجور والتعدّى وهل ىَ　　　قُضُّ مافى المَهارق الأهواءُ

ترجمہ: اور یاد کرو بازار ذوالمجاز میں معاہدہ کو اور جو بھی عہد و پیمان ہوئے اور گواہوں کو۔ ظلم و ستم کے خوف سے یہ معاہدہ ہوا (کہ کہیں عہد شکنی نہ کر بیٹھیں، اور کیا معاہدہ کے دستاویزات کو نفس پرستی ختم کر سکتی ہے۔

عرب دراصل تجارت پیشہ قوم کی حیثیت سے معروف رہے ہیں۔ ریگستان کی سرزمین میں زراعت کے لئے حالات موافق نہیں رہتے ہیں لہٰذا ان کا دارومدار تجارت پر رہا کرتا تھا۔ تجارتی میدان میں عرب حضرات کو گرانقدر مہارت حاصل رہی ہے اس لئے تجارتی غرض سے لکھنے کے عمل کو اہمیت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا تاکہ کاروباری معاملات اہتمام کے پیش نظر ضبط تحریر میں آجائیں۔

ادبی غرض کے لیے لکھنے کے عمل کو رواج دینا عربوں کے یہاں کوئی ضرورت کی چیز نہیں سمجھی گئی۔ کیونکہ ان کے یہاں جو چیز حافظہ میں محفوظ ہو وہ زیادہ قابل اعتماد مانی جاتی تھی۔ اس کو وہ زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ بہ نسبت اس کے جو تحریری شکل میں موجود ہو۔ عرب کو اپنی زبان اور قوت یاداشت پر ناز تھا۔ چنانچہ وہ اپنا حسب و نسب اپنی زبان پر محفوظ رکھتے تھے۔ اپنے خاندان و قبیلہ کی شان و شوکت بیان کرنے کے لئے اشعار و قصائد از بر رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ گھوڑوں کا سلسلۂ نسب بھی اپنے حافظہ میں محفوظ رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ کی کوئی تحریر کردہ کتاب دستیاب نہیں ہے اور نہ ہی فنی طور پر تیار کردہ کوئی ادبی مجموعہ یا ادبی دستاویز کا ثبوت موجود ہے۔

عربوں کے یہاں تکلف یا تصنع کا مزاج نہیں پایا جاتا تھا۔ شاعری وہ اپنی طبیعت کے تقاضہ سے کرتے تھے۔ نہ کہ اپنے اوپر جبر و تکلف کے ذریعہ۔ فصاحت و بلاغت ان کی زبان میں عام طور سے رائج تھی۔ زبان کے معیار اور فنی

خصوصیات سے ہر طبقہ کے لوگ محظوظ ہوتے تھے۔ زبان کی فنی خصوصیات عام ہونے کی وجہ سے اس کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی کہ ادبی شہہ پارے یا خوبصورت عبارتیں لکھ کر محفوظ کر لی جائیں۔ جو تحریریں تجارتی غرض سے تیار کی جاتی تھیں وہ کاروباری شفافیت اور باہم اعتماد کو برقرار رکھنے کے لئے کی جاتی تھیں۔

2.7 صحیفوں کا وجود

یوں تو کسی ادبی تصنیف یا مجموعہ کی شکل نہیں ملتی ہے تاہم صحیفوں کے متعلق روایات میں تذکرہ آتا ہے۔ تاریخی طور پر اس کا ثبوت ملتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے زمانہ میں سُوَید بن صامت نام کا ایک شخص حج یا عمرہ کی غرض سے مکہ مکرمہ حاضر ہوا۔ اللہ کے رسول ﷺ کو اس کی آمد کی خبر ملی تو آپؐ اس کے پاس گئے اور اسے اسلام کی دعوت دی۔ سُوَید نے آپؐ سے کہا کہ جو چیز آپ کے پاس ہے میرے پاس بھی ویسی چیز موجود ہے۔ آپ نے پوچھا کہ تمہارے پاس کیا ہے؟ اس نے کہا ''مجلۂ لقمان''۔ آپؐ نے کہا اسے میرے سامنے پیش کرو۔ سوید نے اس کلام کو آپؐ کے سامنے پیش کیا۔ آپؐ نے فرمایا یقیناً یہ ایک اچھا کلام ہے۔ لیکن جو میرے پاس ہے وہ اس سے بھی بہتر کلام ہے۔ وہ قرآن ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نازل فرمایا ہے۔ یہ سراسر ہدایت ہے اور سراپا نور ہے۔ پھر آپؐ نے قرآن کی آیتیں پڑھ کر اسے سنائیں۔ اس کے بعد آپؐ نے اسے اسلام کی دعوت دی۔ لیکن وہ ٹس سے مس نہیں ہوا۔ بہر حال اس نے اتنا کہا کہ یہ ایک اچھا کلام ہے۔

اس واقعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں صحیفہ کا وجود تھا جس میں حکمت و نصیحت کی باتیں پائی جاتی تھیں۔ لیکن اس طرح کے صحیفوں کی بنیاد پر یہ استدلال نہیں کیا جا سکتا ہے کہ جاہلی عرب لکھنے کے فن کو اپنے جذبات و احساسات کی نمائندگی کے لیے استعمال کرتے تھے۔ محض گمان کی بنیاد پر ہم اس میں قیاس آرائی نہیں کر سکتے ہیں۔ ان تمام حقائق کے باوجود کہ نثر فنی کی کوئی مادی شکل ہمارے بیچ موجود نہیں اور ادبی خطوط یا رسائل کا کوئی ثبوت دستیاب نہیں، یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ عربوں کے درمیان سیاسی و تجارتی اغراض کے لئے خطوط نویسی کا عمل رائج تھا۔

2.8 طرفہ بن عبد کی موت میں خط کا کردار

طرفہ بن عبد جاہلی دور کا ایک شاعر ہے۔ ۵۳۹ء میں اس کی پیدائش ہوئی اور ۵۶۴ء میں اس کا قتل ہوا۔ موت کا یہ واقعہ آپؐ کی ہجرت سے ساٹھ سال قبل پیش آیا۔ ہجو گوئی میں مشہور تھا۔ تاہم اس کے اشعار میں فحش کلامی نہیں ہوتی

تھی۔ بلکہ شعر کی شکل میں حکمت کی باتیں اس کی زبان سے نکلتی تھیں۔ زبان کا بڑا تیز طرار تھا۔ ایک موقعہ پر عمرو بن ہند کی مجلس میں بیٹھا تھا۔ مسیّب بن علس نامی ایک شاعر وہاں موجود تھا۔ اس نے ایک قصیدہ پڑھا۔ طرفہ بن عبد نے اس کے شعر میں نقص نکالا جس کی وجہ سے مسیّب کو غصہ آ گیا۔ اس نے کہا اس لڑکے کو اس کی زبان مار ڈالے گی۔ یہ پیشیں گوئی صحیح ثابت ہوئی۔ وہ اپنی زبان کی وجہ سے قتل کر دیا گیا۔

اس کے قتل میں خط کا استعمال کیا گیا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک موقعہ پر طرفہ نے عمرو بن ہند اور اس کے بھائی قابوس کی شعر کے ذریعہ برائی بیان کی۔ عمرو بن ہند اس وقت وہاں موجود نہیں تھا۔ عمرو چونکہ بادشاہ تھا۔ طاقت اور زور بازو میں شہرت یافتہ تھا۔ لہٰذا کسی کو ہمت نہیں ہوئی کہ اس کے سامنے قصیدہ کا تذکرہ کرے۔ اتفاق کچھ ایسا ہوا کہ عمرو بن ہند ایک مرتبہ شکار کھیلنے کے لئے نکلا تو بہت دور چلا گیا۔ چنانچہ اس دور افتادہ علاقہ میں آگ جلائی گئی۔ گوشت بھون کر کھانے کا دور چل رہا تھا۔ اس وقت طرفہ بن العبد کا ایک رشتہ دار موجود تھا جو عمرو بن مرثد کا غلام تھا۔ غلام کی قمیص میں کچھ نقص تھا جس کی وجہ سے اس کا کولہا جھلک گیا۔ غلام بہت خوبصورت تھا۔ اس غلام اور طرفہ کے درمیان کسی معاملہ میں ناچاقی چل رہی تھی تو طرفہ نے اس پر معیوب شعر کہہ دیا۔ عمرو بن ہند نے غلام سے کہا کہ غلام! طرفہ نے تمہارا کولہا دیکھ لیا ہے اور اس نے اس طرح کا نازیبا شعر کہا ہے۔ غلام کو غصہ آیا اور اس نے راز فاش کرتے ہوئے عمرو بن ہند سے کہا کہ بادشاہ سلامت کی شان میں اس نے تو اس سے بھی بری بات کہی ہے۔ عمرو بن ہند نے پوچھا کہ کیا کہا ہے؟ غلام شرمندہ ہو رہا تھا اور ناپسند کر رہا تھا کہ بادشاہ کو وہ بری بات بتائے۔ عمرو بن ہند نے کہا کہ مجھے بتا دو میں طرفہ کو کچھ نقصان نہیں پہونچاؤں گا۔ تو غلام نے قصیدہ پڑھ کر سنا دیا۔ اس پر عمرو بن ہند کے دل کو جو ٹھیس پہونچی اس کا اظہار اس نے نہیں کیا۔ نیز معاشرہ میں اپنے مقام اور رتبہ کا خیال کرتے ہوئے کسی فوری اقدام کو نامناسب سمجھا۔ اس سکوت اور برداشت میں ایک مدت گزر گئی۔ طرفہ نے محسوس کیا کہ بادشاہ کی ناراضگی دور ہو گئی ہے۔

جریر بن عبدالمسیح نام سے ایک اور شاعر تھا وہ المتلمّس کے لقب سے مشہور تھا۔ اس نے بھی عمرو بن ہند کے متعلق نازیبا شاعری کی تھی۔ عمرو بن ہند نے طرفہ اور المتلمّس دونوں سے محبت اور دلجوئی کا سلوک کیا تاکہ دونوں مانوس ہو جائیں۔ ایک عرصہ تک دونوں کو اپنے ساتھ رکھا۔ پھر ایک دن عمرو بن ہند نے ان دونوں سے کہا کہ مدت ہو گئی اب تم دونوں شاید اپنے گھر والوں سے ملنے کی خواہش کر رہے ہو گے۔ دونوں نے کہا ''ہاں'' عمرو بن ہند نے بحرین و ہجر (موجودہ الاحساء کے علاقہ) میں اپنے گورنر کے پاس جس کا نام ربیعہ بن الحارث العبدی تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کا

نام المکعبر تھا، ان دونوں کو روانہ کیا۔ ساتھ ہی ایک خط لکھ کر ان دونوں کے حوالہ کر دیا۔ جب حیرہ سے قریب کسی جگہ یہ لوگ پہونچے تو دیکھا کہ ایک بوڑھا شخص ہے اس کے ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا ہے۔ وہ کھا رہا ہے اور ساتھ ہی کچھ ایسا عمل کر رہا ہے جس سے طبیعت مکدر ہو جائے۔ متلمس نے اس سے کہا کہ خدا کی قسم تم سے بڑا احمق اور کم عقل میں نے نہیں دیکھا۔ تم کس قدر نازیبا عمل کر رہے ہو۔ اس پر اس شخص نے جواب دیا کہ مجھ سے بڑا احمق وہ شخص ہے جو اپنے ہاتھوں سے اپنی موت کا سامان تیار کر رہا ہے۔ اور اسے اس کی خبر بھی نہیں۔ متلمس چوکنا ہو گیا۔ حیرہ کے باشندوں میں سے ایک لڑکا اسے ملا۔ متلمس نے اس سے پوچھا ''تم پڑھنا جانتے ہو؟'' لڑکے نے کہا ''ہاں''۔ متلمس نے فوراً خط کھولا اور اس کے حوالہ کر دیا۔ اس لڑکے نے اس خط پر نظر دوڑائی اور کہا ''متلمس کی موت پر اس کی ماں ماتم کرے گی''۔ پھر خط پڑھ کر اس نے اس کو سنایا کہ ''جب تمہارے پاس متلمس پہونچے تو اس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پیر کاٹ دینا، نیز اسے زندہ دفن کر دینا''۔ متلمس نے اس خط کو ایک دریا میں پھینک دیا جس کا نام کافر تھا۔

پھر وہ طرفہ کی تلاش میں نکلا تا کہ اس کو بھی واپس جانے کے لئے کہے لیکن اس سے ملاقات نہیں ہوئی۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ طرفہ سے ملاقات ہوئی۔ طرفہ سے اس نے پوچھا کہ تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے خط میں کیا پیغام ہے؟ ہوسکتا ہے اس میں بھی وہی لکھا ہو جو میرے خط میں لکھا ہوا تھا۔ طرفہ نے کہا ممکن ہے تمہارے خلاف اس نے ایسی جرأت کی ہو۔ لیکن میرے خلاف وہ ایسی جرأت نہیں کر سکتا ہے۔ بہر حال متلمس شام کی طرف بھاگ نکلا اور طرفہ مذکورہ گورنر کی طرف چل پڑا۔ یہاں تک کہ بحرین و ہجر کے علاقہ میں پہونچ گیا۔ طرفہ نے عمرو بن ہند کا خط گورنر کے حوالہ کر دیا گورنر نے خط پڑھ کر پوچھا ''تمہیں معلوم ہے کہ اس خط میں مجھے کیا حکم دیا گیا ہے؟'' طرفہ نے جواب دیا'' ہاں! یہ کہ تم مجھے انعام واکرام سے نوازو، اور میرے ساتھ اچھا سلوک کرو''۔ گورنر نے کہا ''میرے اور تمہارے بیچ ماموں کا (یعنی ننہالی) رشتہ ہے۔ میں اس کا لحاظ کر رہا ہوں۔ آج ہی رات تم یہاں سے بھاگ جاؤ، کیونکہ مجھے تمہیں قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لہٰذا قبل اس کے کہ لوگوں کو پتہ چلے تم صبح ہونے سے پہلے ہی یہاں سے روانہ ہو جاؤ''۔ طرفہ نے جواب دیا ''تم پر مجھے انعام واکرام سے نوازنا گراں گزر رہا ہے۔ اس لئے تم مجھے یہاں سے نکل جانے کو پسند کر رہے ہو۔ نیز یہ کہ عمرو بن ہند کو من مانی کرنے کا موقع مل جائے۔ ایسا معلوم ہو رہا ہے گویا میں نے کوئی گناہ کیا ہو۔ خدا کی قسم میں تمہاری بات ہرگز نہیں مانوں گا''۔

جب صبح ہوئی تو اس نے طرفہ کو گرفتار کرنے کا حکم صادر کر دیا۔ قبیلۂ بکر بن وائل کے لوگ آئے۔ انہوں نے

پوچھا ''کیا طرفہ آیا ہے؟'' بحرین کے گورنر نے طرفہ کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ سب کے سامنے بادشاہ عمرو بن ہند کا خط پڑھ کر سنایا گیا۔ پھر گورنر نے طرفہ کو آزاد کر دیا اور اس کے قتل کو نظر انداز کر دیا۔ ساتھ ہی عمرو بن ہند کو گورنر نے خط لکھ کر بھیجا کہ ''میں اس کو قتل نہیں کروں گا''۔ اس کے بعد عمرو بن ہند نے بنی تغلب کے ایک شخص کو جس کا نام عبد ہند بتایا جاتا ہے خط دے کر روانہ کیا اور اس کو بحرین کا گورنر بھی مقرر کر دیا۔ یہ بہت ہی بہادر اور دلیر شخص تھا۔ اسے طرفہ کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا۔ ساتھ ہی ساتھ ربیعہ بن الحارث العبدی کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا۔ عبد ہند بحرین پہونچا۔ بحرین کے باشندوں کے سامنے حکم نامہ پڑھ کر سنایا۔ اس طرح ربیعہ بن الحارث العبدی کی جگہ عبد ہند بحرین کا گورنر بن گیا۔ عبد ہند نے طرفہ کے قتل کی تدبیر شروع کر دی۔ قبیلہ عبد قیس کے ایک شخص کو جس کا نام ابوریشہ بتایا جاتا ہے قتل کی ذمہ داری سونپی۔ ابوریشہ نے طرفہ کو قتل کر ڈالا۔ اس کی قبر ہجر میں مشہور ہے، جو قبیلۂ قیس بن ثعلبہ کی سرزمین میں ہے۔

اس واقعہ میں کئی جگہ خطوط کا استعمال ہوا ہے۔ لہٰذا واضح اشارہ ملتا ہے کہ اس زمانہ میں خطوط نویسی کا ماحول رائج تھا۔

2.9 نثر جاہلی میں قصوں اور کہانیوں کا تذکرہ

اہل زبان کے نزدیک یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ عصر جاہلی کے عرب قصے اور کہانیوں میں گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ صحرائی زندگی میں خالی اوقات کو اس طرح کی سرگرمیوں میں استعمال کرنے کی رغبت ان کے اندر پائی جاتی تھی۔ جب شام ہو جاتی تو قصوں کی مجلسوں میں شرکت کی غرض سے لوگ پہونچتے تھے۔ صحرائی خیموں میں سے کسی خیمہ میں جہاں کسی نے یہ کہنا شروع کیا کہ واقعہ کچھ اس طرح پیش آیا۔ فوراً لوگوں کے کان اس طرف متوجہ ہو جاتے تھے۔ قصہ گوئی کے دوران کبھی اہل مجلس میں سے بھی کوئی تبصرہ کرتا تھا۔ اس طرح کے مواقع میں قبیلہ کے بوڑھے اور نوجوان کافی جوش وجذبہ کے ساتھ شریک ہوتے تھے۔ خواتین ودوشیزائیں بھی پردہ کے پیچھے اپنے خیموں میں کافی شوق سے جمع ہوتی تھیں اور داستانیں سنا کرتی تھیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ قصہ گو اس طرح کی حکایتوں کے تذکرہ میں اپنی طرف سے اپنے خیال اور کبھی فن قصہ گوئی کی بنیاد پر واقعہ میں اضافہ یا تبدیلی بھی کرتے ہوں۔ تاکہ سامعین کی توجہ پوری طرح برقرار رہ سکے۔ کہانی کے پیچ و خم سے ان کے قلوب بھی متاثر ہو سکیں۔ ان کے اندر کیفیت میں اتار چڑھاؤ بھی آئے۔ کبھی خوف کا منظر سامنے آئے۔ کبھی انتقام کی رغبت بیدار ہو، کبھی سنجیدگی کا سماں چھا جائے، کبھی قہقہہ کی گونج سنائی دے۔ کیونکہ کہانی بیان کرنے والا سامعین کی آنکھوں کی چمک سے شوق وولولہ کا اندازہ لگاتا ہے۔ واقعہ کے نشیب وفراز سے گزرتے ہوئے سامعین ہر لمحہ

اگلے موڑ کے تجسس میں ڈوب جاتے ہیں۔ان امکانات کا اظہار کرتے ہوئے ڈاکٹر شوقی ضیف نے تبصرہ کیا ہے کہ بہر حال ان قصوں کی اصل کے متعلق بحث کرنا دشوار ہے۔عباسی دور کے راویوں اور زبان کے ماہرین تک کچھ کہانیوں کے متعلق معلومات پہونچی تو انھوں نے انہیں یکجا کر دیا۔اس احتمال کی نفی نہیں کی جاسکتی ہے کہ عصر جاہلی سے لے کر دوسری صدی ہجری تک ان قصوں کے پہونچنے میں تحریف وتغیر واقع ہوئے ہوں گے۔کیونکہ اس دوران ایک لمبا عرصہ گزر چکا ہے۔ان تمام امکانات کے باوجود ماہرین زبان کا اعتراف ہے کہ ان قصوں میں پرانی روایات وخصوصیات کے عناصر بہت حد تک محفوظ رہے ہیں۔اور قدیم روح وقوت بھی باقی رہی ہے۔

عباسی دور کے روایوں نے جن قصوں کو قلم بند کیا ہے اور جن کہانیوں کو تدوین کر کے آئندہ کی صدیوں تک پہونچایا ہے ان کے ذریعہ ہم ان قصوں کے تنوع اور احوال کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

2.9.1 عصر جاہلی میں قصوں کی نوعیت

جاہلی دور کی نثر جو کہانیوں کی شکل میں عصر عباسی تک پہونچی اس کی بنیاد عصر جاہلی کی جنگیں اور آپسی قتل وغارت ہیں۔وہ کہانیاں ان جنگوں کی نمایاں شخصیات کے گرد گھومتی ہیں،جنہیں ہم آج کی زبان میں جنگ کے ہیرو سے تعبیر کرتے ہیں۔جنگ میں ان شخصیات کے کردار،ان کی فتح وکامیابی کے نمونے،ان کی وجہ سے مخالف جماعت میں خوف ودہشت کا ماحول،دشمن کی شکست اور ذلت ورسوائی کے حالات ان کہانیوں میں خصوصی کشش کا مرکز ہوا کرتے تھے۔عرب چونکہ جنگ وجدال کے احوال سے گہری دلچسپی رکھتے تھے اس لئے اس طرح کے قصے ان کے یہاں نہایت ہی معروف ومقبول تھے۔عرب اپنی قبائلی زندگی میں جنگ وجدال کی صورتحال کا واضح تجربہ رکھتے تھے لہٰذا ان کہانیوں میں ان کی رغبت بے مثال ہوا کرتی تھی۔ان کہانیوں کا جاہلی دور سے لے کر عصر عباسی تک کا سفر طے کرنا جو تقریباً دوسو سال کے عرصہ پر محیط ہے،کوئی معمولی بات نہیں۔یقیناً اس میں عربوں کی دلچسپی کا دخل ہے۔جنگی امور کا سلیقہ اس میں بنیادی عنصر کے طور پر کردار ادا کرتا رہا ہے۔یہ قصے بہت ہی منظّم طریقہ سے روایت کئے جاتے رہے ہیں۔ان کی تدوین قصہ بیانی کی بہترین مثال ہے۔

عرب اپنے بادشاہوں سے متعلق بھی قصے بیان کیا کرتے تھے۔مناذرہ اور غساسنہ کے قصے خاص طور سے تذکرہ میں آتے ہیں۔مناذرہ سے مراد قبیلہ منذر کی شاخوں سے ہے اور غساسنہ سے مراد قبیلہ غسان کی شاخوں سے ہے۔جوں جوں ان قبائل کی آبادی میں اضافہ ہوتا چلا جاتا تھا ان کی شاخیں وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی جاتی تھیں۔ان قبائل میں

سردار ہوا کرتے تھے۔ان سرداروں سے متعلق یا ان میں جو بادشاہ ہوا کرتے تھے ان بادشاہوں سے متعلق کہانیاں روایت کی جاتی تھیں۔ان کہانیوں کو عرب آپس میں سنایا کرتے تھے۔ان میں جاذبیت بھی ہوتی تھی۔نصیحتیں بھی ہوتی تھیں۔تاکہ قبیلہ کے لوگ خصوصاً نوجوان خوبیوں کو اختیار کریں اور خامیوں سے گریز کریں۔تاریخ کے احوال سامنے ہوتے ہیں تو عبرت حاصل کرنا آسان ہوجاتا ہے۔عربوں کی خصوصیت تھی کہ واقعات کے ذریعہ اپنی نسلوں کی تربیت کیا کرتے تھے۔یہ واقعات کبھی گزشتہ اور کبھی پیوستہ بادشاہوں سے متعلق ہوتے تھے۔ان کے احوال اور کارناموں کا تذکرہ ہوتا تھا۔کبھی معاصر بادشاہوں سے متعلق تذکرے آتے تھے۔مثلاً سلطنت حمیر کے بادشاہوں کے متعلق، یا اسی طرح زباء کے متعلق جسے زنوبیا اور زینب کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔جو ملکۂ تدمر تھی۔جیسا کہ تاریخ طبری میں اس کا تذکرہ آتا ہے۔ابن ہشام نے اپنی کتاب السیرۃ النبویۃ میں بھی اس کا ذکر کیا ہے۔

2.9.2 نضر بن الحارث کا واقعہ

عرب جس طرح اپنے بادشاہوں کے واقعات بیان کیا کرتے تھے۔اپنے قبیلہ کی ممتاز شخصیتوں کی خوبیاں بھی بیان کرتے تھے۔اسی طرح اپنے اطراف کے قبائل اور قوموں کے واقعات بھی سنایا کرتے تھے۔وہاں کے بہادروں اور جسارت پسند لوگوں کے احوال بیان کیا کرتے تھے۔السیرۃ النبویۃ میں درج ہے کہ نضر بن الحارث کا شمار قریش کے شر پسندوں میں ہوتا تھا۔اللہ کے رسول ﷺ کو بہت تکلیفیں پہنچایا کرتا تھا۔آپؐ کے خلاف دشمنی کا ماحول تیار کرتا تھا۔اس نے ایک مرتبہ حیرہ کا سفر کیا۔وہاں اس نے ملک فارس کے بادشاہوں کے متعلق باتیں معلوم کیں۔اسی طرح رستم اور اسفندیار کے واقعات بھی سنے اور انہیں یاد کرلیا۔جب وہ مکہ واپس آیا اور دیکھا کہ اللہ کے رسولؐ اپنی مجلس میں اللہ کی باتیں بتارہے ہیں۔گزشتہ قوموں پر اللہ کے عذاب کا تذکرہ کررہے ہیں۔نیز غضب الٰہی سے بچنے کی تلقین کررہے ہیں۔تو آپؐ کی مجلس کے بعد وہ اپنی مجلس لگاتا تھا۔اور کہتا تھا ''اے قریش کے لوگو! اللہ کی قسم میں ان سے بہتر واقعات سناؤں گا۔تم لوگ میرے پاس آؤ۔میری بات ان کی بات سے زیادہ اچھی ہوگی''۔اس اعلان کے ساتھ مجمع اکٹھا کرکے کبھی فارس کے بادشاہوں کی کہانیاں سنایا کرتا اور کبھی رستم اور اسفندیار کے تذکرے چھیڑتا تھا۔

2.9.3 المرقش الاکبر کا قصہ

عربوں میں کہانیاں اس قدر رائج تھیں کہ تاریخ کی کتابوں میں ان کا ذکر بکثرت آتا ہے۔شعراء نے بھی ان پر شاعری کی ہے۔ادیبوں نے ان موضوعات پر ادبی تحریریں ترتیب دی ہیں۔اس پس منظر میں الاغانی کے صفحات پر نظر

دوڑائی جائے تو ایسی کہانیاں بکثرت ملتی ہیں۔ان کہانیوں کی فہرست میں جذباتی لگاؤ اور عشق ومحبت کی داستانیں بھی بڑی تعداد میں سامنے آتی ہیں۔مثال کے طور پر مرقش اکبر کا قصہ۔اس کی معشوقہ اسماء بنت عوف کے نام سے معروف تھی۔مرقش اکبر اس سے بہت محبت کرتا تھا۔حالانکہ اس وقت وہ محض نوعمری کے مرحلہ میں تھا۔اس نے اپنے باپ کے ذریعہ اسماء کو شادی کا پیغام دینے کی کوشش کی۔لیکن باپ نے یہ عذر کر کے ٹال دیا کہ ابھی تم بچہ ہو۔ابھی تمہاری شادی کی عمر نہیں ہوئی ہے۔مرقش اپنی شجاعت اور بہادری میں اس وقت تک کوئی شہرت بھی حاصل نہیں کر سکا تھا۔پھر کچھ ایسی صورتحال پیش آئی کہ مرقش کو کسی بادشاہ کے یہاں جانا ہوا۔وہاں اس نے بادشاہ کی تعریف کی۔چنانچہ بادشاہ نے اسے اپنے پاس ٹھہرالیا۔ایک زمانہ گزر گیا۔اسی اثناء میں اسماء کے باپ عوف پر تنگدستی کے حالات آ گئے۔پریشانی ومجبوری کے اس عالم میں اس کے پاس ایک شخص آیا۔مال کا لالچ دیا۔تو باپ نے اپنی بیٹی اسماء کی سواونٹ کے عوض اس سے شادی کر دی۔وہ اسماء کو اپنے گھر لے گیا۔مرقش کو اس کی کوئی خبر نہیں ہوئی۔مرقش کے بھائیوں نے طے کیا کہ جب مرقش لوٹ کر وطن واپس آئے گا تو اسے اس واقعہ کی خبر نہ دی جائے۔کیونکہ اسے بہت تکلیف ہوگی۔بلکہ یہ کہہ دیا جائے کہ وہ مرگئی۔چنانچہ ان بھائیوں نے ایک مینڈھا ذبح کیا۔اس کا گوشت کھا گئے اور ہڈیاں دفن کر دیں۔جب مرقش واپس آیا تو بھائیوں نے کہا کہ وہ تو مرگئی۔بہرحال ایک مدت تک مرقش محبوبہ کی قبر کی زیارت کرتا رہا۔یہاں تک کہ حقیقت حال سے واقفیت ہوگئی کہ یہ محبوبہ کی نہیں بلکہ کسی مینڈھے کی قبر ہے۔پھر مرقش اپنی محبوبہ کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ایک عرصہ تک جدوجہد کرتا رہا۔اسے ایک چرواہے کی خبر ملی کہ وہ اسماء بنت عوف کے شوہر کی بکریاں چراتا ہے۔مرقش نے اس سے درخواست کی کہ اسماء کے متعلق کچھ پتہ بتادے۔اس نے معذرت کر دی اور کہا کہ میرے بس میں نہیں ہے کہ میں اس کے قریب تک پہونچوں۔لیکن ایک بات بتاتا ہوں۔اس کی ایک باندی ہے۔وہ ہر رات میرے پاس آتی ہے۔تو میں بکری کا دودھ دوہ کر اس کو دیتا ہوں۔وہ لے جاتی ہے۔وہ دودھ اس کو وہ پیش کرتی ہے۔اس پر مرقش نے اس چرواہے سے کہا میری یہ انگوٹھی لو۔جب تم دودھ دوہنا تو اس کو اس دودھ میں ڈال دینا۔اسماء اس انگوٹھی کو پہچان لے گی۔اس عمل کے بدلہ تمہیں اتنی نعمت حاصل ہوگی کہ اتنی نعمت کبھی کسی چرواہے کو حاصل نہیں ہوئی ہوگی۔چرواہے نے اس یقین دہانی پر اس کی انگوٹھی لے لی۔شام میں جب اس کی باندی پیالہ لے کر آئی تو چرواہے نے اس کے لیے دودھ دوہا اور وہ انگوٹھی اس میں ڈال دی۔باندی وہ دودھ کا پیالہ لے کر گئی اور اسماء کے سامنے اس نے رکھ دیا۔جب دودھ کا جھاگ بیٹھ گیا تو اسماء نے دودھ پیا۔یہ اس کا روزانہ کا معمول تھا۔دودھ پینے کے دوران انگوٹھی اس کے دانت سے ٹکرائی

تو اس نے فوراً اس کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ روشنی جلائی تو دیکھا کہ وہ ایک انگوٹھی تھی۔ انگوٹھی کو اس نے پہچان لیا۔ باندی کو بلایا۔ اس سے پوچھا کہ یہ انگوٹھی کیسی ہے؟ کہاں سے آئی؟ باندی نے کہا مجھے تو اس کا کوئی علم نہیں۔ اسماء نے فوراً باندی کو اس کے آقا کے پاس بھیجا۔ اس وقت وہ نجران میں تھا۔ وہ گھبرایا ہوا آیا۔ احوال دریافت کرتے ہوئے پوچھا مجھے تم نے کس لئے بلایا ہے؟ اسماء نے کہا تم اپنے غلام چرواہے کو بلاؤ۔ اس نے اس چرواہے کو بلایا۔ جب وہ آ گیا تو اسماء نے اپنے شوہر سے کہا کہ اس چرواہے سے پوچھو کہ یہ انگوٹھی اسے کہاں ملی؟ چرواہے نے کہا ''میری ملاقات جُنان نامی گفا میں ایک شخص سے ہوئی تھی۔ اس نے مجھ سے کہا کہ یہ انگوٹھی دودھ کے اس پیالہ میں ڈال دینا جس کو اسماء استعمال کرتی ہے۔ تمہیں اس کے بدلہ نعمت حاصل ہوگی۔ لیکن اس نے یہ نہیں بتایا کہ وہ ہے کون؟ بہر حال میں نے مجبور ہو کر وہ انگوٹھی اس پیالہ میں ڈال دی''۔ شوہر نے اسماء سے پوچھا '' آخر اس انگوٹھی کی حقیقت ہے کیا؟''۔ اسماء نے جواب دیا ''یہ انگوٹھی مرقش کی ہے''۔ چلو جلدی کرو اس کو تلاش کرتے ہیں۔ شوہر فوراً ایک گھوڑی پر سوار ہوا اور دوسری پر اسماء سوار ہوئی دونوں مرقش کی تلاش میں نکل پڑے۔ تلاش کرتے ہوئے رات ہوگئی۔ رات کے کسی حصہ میں مرقش انہیں ملا۔ وہ دونوں اسے اپنے گھر لے آئے بتایا جاتا ہے کہ جب وہ گھر پہونچا تو اسماء کے پاس ہی اس کی موت ہوئی۔ مرنے سے پہلے اس نے چند اشعار بھی کہے جن میں اسماء سے دوری پر اپنے غم واندوہ کی شکایت کی۔ اسماء پر اس نے عہد شکنی کا الزام بھی لگایا اور اپنی بے چارگی وکس مپرسی پر ماتم کرتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہوگیا۔

2.9.4 نثر جاہلی میں قصہ کی اہمیت

اس کہانی کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے سامنے یہ واضح ہوجائے کہ عصر جاہلی میں اس انداز کے قصے رائج تھے۔ یقیناً یہ کہانیاں نثر کے اسلوب میں سنائی جاتی تھیں۔ ان قصوں سے ہمیں عندیہ ملتا ہے کہ جاہلی دور میں نثر کی یہ شکل پائی جاتی تھی۔ لیکن ان قصوں کو فن کی حیثیت سے تحریری شکل میں محفوظ کرنے کا مزاج نہیں تھا۔ کیونکہ عربوں کو اپنے بیان اور حافظہ پر زیادہ اعتماد تھا۔ لہٰذا ان واقعات کو ضبط تحریر کرنے کی طرف انھوں نے توجہ نہیں دی۔ دشواری یہ تھی کہ اگر لکھ بھی دیں تو اس زمانہ میں پڑھنے والے لوگ تھے ہی کتنے؟

واقعہ یہ ہے کہ کہانیاں اس زمانہ میں نسل درنسل سلسلہ وار جاری رہیں۔ قصہ گو موقعہ کے اعتبار سے یا کبھی ذاتی اسلوب وانداز کے اعتبار سے الفاظ وتعبیر میں ردوبدل کرتے رہتے تھے۔ تاکہ سامعین کی دلچسپی باقی رہے۔ رغبت وشوق کا ماحول قائم رہے، کبھی ان کہانیوں کے بیچ ضرب الامثال کا بھی استعمال کرتے تھے۔ لیکن کہانی کی اصل اور اس کی

روح باقی رہتی تھی۔

بروکلمان کا بیان ہے کہ غیر عرب قوم میں بھی عاشقوں کے باہم ایک دوسرے کو انگوٹھی کے ذریعہ پہچاننے کے قصے بکثرت رائج تھے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جاہلی دور کے قصوں میں غیر عرب قوموں میں معروف عشق ومحبت کی داستانوں کے عناصر شامل تھے۔ان کے علاوہ دیگر نوعیت کی داستانیں بھی عرب قوم تک پہونچ چکی تھیں جن کا تعلق جانوروں کے واقعات سے تھا۔مثلاً سانپ اور کلہاڑی کی داستان جیسا کہ **الضبّی** نے روایت کی ہے۔

2.10 معلومات کی جانچ

1. کس زمانہ کو عصر جاہلی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے؟
2. کیا عرب بالکل ہی نااہل تھے یا ان کے پاس تجربات تھے؟
3. عصر جاہلی میں تحریر کی کوئی شکل پائی جاتی تھی یا نہیں؟
4. کیا جاہلی دور میں خطوط پائے جاتے تھے؟
5. نثر جاہلی اور کہانیوں کے بیچ کیا ربط ہے؟

2.11 خلاصہ

یہ تو حقیقت ہے کہ عصر جاہلی میں نثر کا وجود تھا۔لیکن اس کی ابتداء کب ہوئی اس کے متعلق کوئی قطعی دلیل موجود نہیں ہے۔کیونکہ عربوں کے پاس زبان وادب کے جو نمونے موجود ہیں ان کا تعلق اس زمانہ سے ہے جب زبان اپنی پختہ اور ترقی یافتہ شکل میں پائی جاتی تھی۔لہٰذا تاریخی وسائل سے یہ معلوم کرنا کہ اس زبان کا نقطۂ آغاز کب تھا اور کہاں تھا بہت ہی دشوار عمل ہے۔مورخین اور ماہرین زبان بھی کوئی قطعی بات کہنے سے قاصر ہیں۔بہرحال اتنا تو یقینی ہے کہ زبان کا ایک دور رہا ہوگا۔اس میں اسے ترقی حاصل ہوئی ہوگی۔

جاہلی زمانہ میں نثر کی جو شکل پائی گئی اس کا تعلق خطوط معاہدات اور صحیفوں سے تھا۔ان کے علاوہ عرب کے قبائل میں قصہ گو اور داستاں گو ہوا کرتے تھے، جو فارغ اوقات میں لوگوں کے مجمع کے سامنے حالات اور واقعات کی خبر دیا کرتے تھے۔یہ واقعات کبھی تاریخ سے وابستہ ہوتے تھے،تو کبھی اطراف کے علاقوں اور بادشاہوں سے متعلق ہوتے تھے۔عرب ایک تجارت پیشہ قوم تھی۔صحرائی علاقہ کے باشندے ہونے کی وجہ سے ان کے یہاں زراعت کے وسائل

بہت محدود تھے۔ چنانچہ تجارت کی غرض سے وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہتے تھے۔ اسی طرح زندگی کے وسائل ایک جگہ ہمیشہ دستیاب نہیں رہتے تھے۔ صحرائی زمین میں چارہ اور پانی کی قلت رہتی تھی۔ اس لئے اگر یہ وسائل ایک جگہ ختم ہوجاتے تو وہ دوسری جگہ کا رخ کرتے تھے۔ اس نقل وحرکت کی وجہ سے عربوں کے یہاں تجربات اور حقیقت حال سے واقفیت کا اچھا خاصا سرمایہ موجود تھا۔ ان تجربات کو واقعہ بیانی کے ذریعہ لوگوں تک پہونچاتے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نقل وروایت کا یہ سلسلہ نثر میں ہی ہوتا تھا۔ نسل درنسل تواصل کے ساتھ یہ واقعات نقل کئے جاتے تھے۔ گرچہ انکی تحریری شکل عصر عباسی میں وجود میں آئی۔ کیونکہ عرب ان کہانیوں اور واقعات کو لکھنے کا اہتمام نہیں کرتے تھے۔ بلکہ سینہ بہ سینہ ایک دوسرے تک منتقل کرتے تھے۔ اس لئے واقعات کی روح اور حقیقت پوری طرح نثر کی شکل میں محفوظ رہی۔ اس طرح عربی نثر کا نشوونما مستقل جاری رہا۔ زبان مستقل تجربات اور تعبیرات کے ذریعہ پروان چڑھتی گئی۔

نزول قرآن سے قبل جاہلی دور میں پرانے صحیفے پائے جاتے تھے۔ صحیفوں کے علاوہ ولوگ خطوط کا استعمال کرتے تھے۔ بادشاہوں کی قرارادیں یا اہم فیصلے خطوط کے ذریعہ دوسروں تک ارسال کئے جاتے تھے۔ ان کے علاوہ قبائل آپس میں معاہدات طے کرتے تھے تاکہ ان کے بیچ امن قائم ہو اور باہم تعاون کی شکل بنے۔ ساتھ ہی ساتھ عربوں کی زبان میں ضرب الامثال کا استعمال بھی بکثرت ہوتا تھا۔ امثال وحکم کے ذریعہ اپنی بات کو تقویت پہنچاتے تھے اور کلام کی زینت میں اضافہ کرتے تھے۔ آئندہ اسباق میں اس کا تذکرہ کیا جائے گا۔

2.12 نمونہ کے امتحانی سوالات

1. عصر جاہلی کو لفظ ''جاہلی'' سے متصف کرنے کی وجوہات بتائیے۔
2. کیا عربوں میں لکھنے کا رواج پایا جاتا تھا؟ تبصرہ کیجئے۔
3. جاہلی دور میں خطوط کے کردار پر ایک مضمون لکھئے۔
4. نثر عربی کے فروغ میں عربوں کے تجربات اور حکمت کا کیا دخل ہے؟
5. نثر جاہلی میں قصوں کی نوعیت پر اظہار خیال کیجئے۔
6. نثر جاہلی سے وابستہ کہانیوں میں غیر عرب داستانوں کے اثرات پر روشنی ڈالئے۔

2.13 فرہنگ

قضَّ	يقُضّ	قضَضا	دھول مٹی بیٹھ جانا، ویران ہونا
رقَّش	يرقِّش	ترقيشا	نقش قائم کرنا
ظهْرٌ	ج	ظُهور	پیٹھ/ پشت
أديم			چمڑا
عفا	يعفُو	عفوا	مٹ جانا
تأبَّد	يتأبَّد	تأبُّدا	نابود ہوجانا
غَولٌ			ٹیلہ
رِجام			قبر کے پتھر
مَدافِع الرَيّان			پانی کا چشمہ
عرَى	يعرَى	عُريانا	آثار مٹ جانا
سَيْل	ج	سُيول	سیلاب
زَبور	ج	زُبُر	کتاب
مَتْن	ج	مُتُون	عبارت
رِقٌّ	ج	رِقاق	باریک چمڑا
عَهْد	ج	عُهُود	معاہدہ
كفِيل	ج	كُفَلاء	نمائندہ، ذمہ دار
نقَض	ينقُض	نَقضا	عہد شکنی
مَهرَق	ج	مَهارِق	عہدنامہ، معاہدہ
خلِق	يخلَق	خَلَقا	پرانا ہونا
الوُحِيّ			تحریر
سِلامٌ			سفید ہڈی یا پتھر

2.14 مطالعہ کے لئے معاون کتابیں

1. عربی ادب کی تاریخ — از پروفیسر عبدالحلیم ندوی
2. عربی ادب کی تاریخ — از احمد حسن زیات/ ترجمہ طفیل احمد مدنی
3. جزیرۃ العرب — از محمد رابع الحسنی الندوی
4. تاریخ الادب العربی (العصر الجاہلی) — از ڈاکٹر شوقی ضیف

اکائی 3 نثر جاہلی کی خصوصیات

اکائی کے اجزاء

3.1 مقصد

3.2 تمہید

3.3 نثر جاہلی کی خصوصیات

3.3.1 سہل الفاظ

3.3.2 مختصر جملے

3.3.3 طرز کلام میں تنوع

3.3.4 اطناب

3.3.5 جاذبیت اور کشش

3.3.6 الفاظ میں یکسانیت اور موسیقیت

3.3.7 حکمت

3.3.8 تشبیہ

3.3.9 فکر کی سلامتی

3.3.10 نصیحت اور بصیرت

3.3.11 ایجاز

3.3.12 جذبات کی صداقت

3.3.13 حسن ترکیب

3.3.14 ماحول اور معاشرہ کی منظر کشی

3.4 نثر جاہلی کے فنون

3.4.1 قصہ

3.4.2 کلہاڑی اور سانپ کا قصہ

3.5 سجع الکہان

3.6 معلومات کی جانچ

3.7 خلاصہ

3.8 نمونہ کے امتحانی سوالات

3.9 مطالعہ کے لئے معاون کتابیں

نثر جاہلی کی خصوصیات

3.1 مقصد

☆ اس اکائی کے ذریعہ جاہلی دور کی نثر سے واقفیت ہوگی۔

☆ نثر جاہلی کی خصوصیات کو سمجھنے کا موقعہ ملے گا۔

☆ نثر جاہلی کے امتیازی پہلو پر تشفی بخش انداز میں روشنی ڈالی جائے گی۔

☆ نثر جاہلی کی خصوصیات سمجھنے کے لیے کچھ نمونے بھی پیش کئے جائیں گے۔

☆ نثر جاہلی کی خصوصیات سے واقفیت کے لئے ادبی فنون کی طرف رہنمائی کی جائے گی۔

3.2 تمہید

تاریخی حوالوں سے یہ تسلیم شدہ ہے کہ عصر جاہلی کے عرب زبان پر قدرت رکھتے تھے۔ان کی زبان عربی تھی۔ نہایت فصیح زبان بولتے تھے۔جاہلی دور سے منسوب واقعات اور قصے اس کی شہادت دیتے ہیں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ قصے اور واقعات جاہلی دور میں تحریری شکل اختیار نہیں کر سکے۔ان کی ترتیب اور کتابی شکل میں ان کی تدوین عصر عباسی میں عمل میں آئی، تاہم یہ کہانیاں سلسلہ وار نقل کی جاتی رہیں۔لہٰذا جاہلی دور کی زبان اور اس سے وابستہ خصوصی اسلوب بدستور باقی رہے، کہا جاتا ہے کہ اس عرصہ میں ان واقعات کو نقل کرنے والے راویوں نے اپنے انداز اور اسلوب کا سہارا لیا۔لہٰذا اندیشہ ہے کہ زبان میں تبدیلی واقع ہوئی ہو۔لیکن زبان کے ماہرین اور میدان ادب کے ناقدین نے تسلیم کیا ہے کہ راویوں کے بدلنے سے واقعات کی زبان وحقیقت میں کوئی بڑی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے۔ بلکہ پرانی زبان واسلوب کو لوگ شوق سے نقل کرتے تھے۔کیونکہ اس زبان میں کشش تھی۔قوت تھی۔فصاحت تھی روانی تھی۔جملوں میں متانت پائی جاتی تھی۔عرب قوم زبان کی شائستگی کے اعتبار باذوق طبیعت کی حامل تھی۔عمدہ بیانات اور اچھی تعبیرات کو ازبر کر لیتی تھی۔اور چونکہ ان کے یہاں قلم کے مقابلہ میں زبان اور قوت یادداشت کا استعمال زیادہ ہوتا تھا۔اس لئے وہ پرانی تعبیرات محفوظ تھیں۔راوی جب ان قصوں کو نقل کرتا تھا تو واقعات کی اصل کو برقرار رکھتا تھا۔عرب الفاظ ومحاورات کے استعمال میں اور ان کی حفاظت میں احتیاط سے کام لیتے تھے۔لہٰذا اس سلسلہ میں مؤرخین نے جاہلی نثر کی روایات کو قابل اعتماد قرار دیا ہے۔نیز اس دور کی فنی خوبیوں اور خصوصیات کا اعتراف کیا ہے۔یہ بھی کہا جاتا ہے کہ

یقیناً نثر جاہلی میں زبان و بیان کے اعتبار سے جاذبیت تھی جب ہی یہ واقعات عرب قوم کے نزدیک توجہ کا ذریعہ بنے اور رغبت و دلچسپی کے ساتھ انھوں نے اس کو نقل کیا۔

3.3 نثر جاہلی کی خصوصیات

ذہن میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ آخر نثر جاہلی میں ایسی کون سی خوبی تھی، اور کیا خصوصیات تھیں کہ اس کو زبان و ادب کے حلقہ میں اس قدر اہمیت حاصل ہوئی۔ اور عرب قوم نے اس سے اپنے تعلق کا اظہار کیا۔

اس سوال کے جواب میں زبان و ادب کے شہسوار نے فراخدلی سے تسلیم کیا ہے کہ زبان میں اس قدر رونق اور رعنائی پائی جاتی ہے کہ مخاطب اس سے لذت حاصل کرتا ہے۔ دل میں ایک طرح کی رغبت محسوس کرتا ہے اور کلام کے اسلوب و تعبیر سے محظوظ ہوتا ہے۔ اس کے پیچھے جو خصوصیات اور وجوہات رہیں ان کا تذکرہ آنے والے سطور میں کیا جاتا ہے۔

3.3.1 سہل الفاظ

جاہلی عرب اپنی زبان میں سہل اور مانوس الفاظ استعمال کرتے تھے۔ نادر اور غیر معروف الفاظ استعمال کرنے سے گریز کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جاہلی عرب کسی موضوع پر اظہار خیال میں تکلف یا تصنع اختیار نہیں کرتے تھے۔ بلکہ سادگی کے ساتھ اپنی بات مخاطب تک پہونچاتے تھے تاکہ مخاطب آسانی سے اس کو سمجھ لے اور مقصود کلام تک پہونچ جائے۔ چونکہ تحریر کا ماحول نہیں تھا اس لئے ایسی تعبیرات کا استعمال نہیں ہوتا تھا جن میں زیادہ غور و خوض کرنا پڑے یا معنی تک رسائی کے لئے زیادہ کوشش کرنی پڑے۔ آسان اور معروف الفاظ کا استعمال جاہلی عرب کو عبارتوں کے یاد کرنے اور نقل کرنے میں بھی مدد کرتا تھا۔ کیونکہ ان واقعات کو دوسروں تک پہنچانے کے لئے زبان اور قوت یادداشت کا ہی استعمال ہوتا تھا، چنانچہ سہل الفاظ آسانی سے ذہن میں نقش ہو جاتے تھے۔ اور دوران بیان مخاطب کی توجہ اور ادراک میں معاون ہوتے تھے۔ جاہلی دور میں صاحب کلام کی یہ بھی کوشش ہوتی تھی کہ مفہوم کلام مخاطب کے سامنے واضح ہو جائے۔ لہٰذا مفہوم کی صحیح تصویر پیش کرنے کے لئے مناسب الفاظ کا استعمال عربوں کی خصوصیت تھی۔ اس طرح سہل الفاظ کے ذریعہ معنی کی صحیح توضیح کی جاتی تھی۔ ان کی زبان اس قدر واضح اور مربوط ہوتی تھی کہ ایک مرتبہ کوئی جملہ ادا کر دیا گیا تو مخاطب براہ راست معنی تک پہونچ جاتا تھا۔ زبان صاف اور رواں ہوتی تھی۔

3.3.2 مختصر جملے

جاہلی نثر میں یہ خصوصیت نظر آتی ہے کہ چھوٹے چھوٹے جملے استعمال کئے جاتے تھے۔ لمبے جملوں سے احتراز کیا جاتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ کلام کا سارا دارومدار گفتگو پر تھا یا یہ کہ کوئی تقریر کی شکل ہو۔ لمبے جملے حصول مقصد میں رکاوٹ کا سبب بنتے ہیں۔ مختصر جملوں سے مخاطب مقصود کلام سے براہ راست واقف ہو جاتا ہے۔ عرب اس سلسلہ میں کافی اہتمام کرتے تھے۔ اپنی زبان اور اسلوب بیان میں بہت حساس طبع تھے۔ مختصر جملوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ غرض کلام کا نقشہ ان کے ذہن میں بالکل واضح رہتا تھا۔ کیونکہ انسان کے ذہن میں جب کوئی خاکہ واضح ہوتا ہے تو نہایت سکون سے قابل فہم انداز میں بات کرتا ہے۔ مختصر جملوں میں اطمینان کے ساتھ مخاطب سے ہم کلام ہوتا ہے۔

3.3.3 طرز کلام میں تنوع

جاہلی دور کے طرز کلام میں دیکھا جاتا ہے کہ صاحب کلام گفتگو میں تنوع اختیار کرتا ہے۔ کبھی جملۂ خبریہ استعمال کرتا ہے تو کبھی جملۂ انشائیہ۔

جملۂ خبریہ اس جملہ کو کہتے ہیں جس میں کسی چیز کی اطلاع دی جاتی ہو۔ اور اس اطلاع کی تصدیق یا تکذیب دونوں کی گنجائش ہو۔ یعنی اس اطلاع میں یا اس خبر میں سچ یا جھوٹ دونوں کا امکان پایا جاتا ہو۔ مثلاً کوئی کہے موسم بہت حسین ہے۔ جہاں ایک طرف موسم کی خوبصورتی کی اطلاع دی گئی وہیں کوئی دوسرا یہ کہہ سکتا ہے کہ موسم حسین نہیں ہے یا یہ کہہ سکتا ہے کہ موسم خراب ہے۔ ایک موسم کے متعلق دونوں اطلاعات ملی ہیں۔ ایک مثبت دوسری منفی۔ جس جملہ میں مثبت یا منفی دونوں کی گنجائش ہو۔ یا بہ الفاظ دیگر، تصدیق یا تکذیب دونوں کا امکان ہو اس کو جملۂ خبریہ کہتے ہیں۔ اس نوع کے جملوں میں کسی موضوع کے متعلق اطلاع دی جاتی ہے یا کسی مضمون کی وضاحت کی جاتی ہے، یا کسی مضمون کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا جاتا ہے۔ یہ اطلاع مثبت یا منفی دونوں شکلوں میں ممکن ہے۔

جملۂ انشائیہ اس جملہ کو کہتے ہیں جس میں کلام کو سچا یا جھوٹا ثابت کرنے کا امکان موجود نہیں ہو۔ یعنی اس کی تصدیق یا تکذیب نہیں کی جاسکتی ہو۔ مثلاً کسی کو کہا جائے کہ کھانا کھالو۔ یہ حکم ہے۔ اس کی تکذیب ممکن نہیں۔ بہت زیادہ ہوگا تو یہ کہا جائے گا کہ کھانا مت کھاؤ۔ یہ ممانعت ہے۔ جو سابقہ حکم کے مقابلہ میں ہے۔ اگر حکم دیا جائے تو اس کو امر کہتے ہیں۔ اور اگر منع کیا جائے تو اس کو نہی کہتے ہیں۔ امر اور نہی یہ دونوں جملۂ انشائیہ کا حصہ ہیں۔ اس طرح کے جملوں میں تصدیق یا تکذیب کی گنجائش نہیں ہوتی ہے۔ کیونکہ حکم دینا کوئی خبر نہیں ہے۔ بلکہ ایک طرح کا مطالبہ ہے۔ تصدیق یا

تکذیب صرف وہاں ممکن ہے جہاں خبر دی جارہی ہو۔

جملۂ انشائیہ ان جملوں کو کہتے ہیں جن میں امر یا نہی پائے جاتے ہوں۔ یا حرف نداء کا استعمال ہوا ہو یعنی کسی کو بلانے کے لئے کوئی لفظ استعمال کیا گیا ہو، یا حرف استفہام کا استعمال ہوا ہو یعنی کوئی بات پوچھی جارہی ہو یا کچھ معلوم کیا جارہا ہو۔ یا کسی طرح کی تمنا کا اظہار کیا جارہا ہو یا کوئی امید کی جارہی ہو۔ جملۂ انشائیہ دو طرح کے ہوتے ہیں۔ انشائیہ طلبی اور انشائیہ غیر طلبی۔ اس کی تفصیل کے لئے قواعد کی کتابوں سے رجوع کریں۔

کلام میں اس طرح کا تنوع گفتگو کو جاذب بنانے کے لئے اختیار کیا جاتا ہے۔ نیز مخاطب کے اندر رغبت اور تجسس پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

3.3.4 اطناب

اس اسلوب کو کہتے ہیں جس میں کسی مفہوم کو واضح کرنے کے لئے ایک سے زیادہ الفاظ یا جملوں کا سہارا لیا جاتا ہو۔ الفاظ یا جملوں کا یہ اضافہ معنویت رکھتا ہو۔ مخاطب کو اس اضافہ سے فائدہ نظر آتا ہو۔ اس انداز گفتگو سے مخاطب کو موضوع میں دلچسپی پیدا ہوتی ہو یا غرض کلام کی وضاحت حاصل ہوتی ہو۔ اطناب کے تئیں کبھی کسی واقعہ کی وجوہات بھی بیان کی جاتی ہیں۔ اسباب وعلل پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ صورتحال کے پس منظر کو واضح کیا جاتا ہے۔ اس کو تعلیل کہتے ہیں۔ بہرحال اطناب کے ضمن میں جو تفصیل بیان کی جاتی ہے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مخاطب کو فائدہ حاصل ہو۔ تبھی اطناب کہلائے گا۔ اگر مخاطب کو اس تفصیل سے یا جملوں کی کثرت سے کوئی فائدہ نہیں ہورہا ہو تو اس کو تطویل کہتے ہیں۔ اس کا دوسرا نام حشو ہے۔ تطویل یا حشو کا یہ عمل علمی اور ادبی حلقوں میں مقبول نہیں ہے۔ بلکہ معیوب سمجھا جاتا ہے۔

اطناب کے ضمن میں ایک اور طرزِ بیان آتا ہے۔ اس کو اقناع کہتے ہیں۔ یعنی کسی مسئلہ کو دلائل وشواہد کے ذریعہ ثابت کرنا تاکہ مخاطب مطمئن ہوجائے۔ یا کسی دعوی کو دلیل کے ذریعہ وقیع بنانا۔ بسا اوقات صاحب کلام کو اپنی بات کی تائید میں اس کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ چنانچہ اس اسلوب کا اختیار کرنا موقعہ کے اعتبار سے ضروری ہوجاتا ہے۔ جاہلی دور کے عرب اپنے کلام کو قابل اعتماد ثابت کرنے کے لئے اس طرز کو اختیار کرتے تھے۔

3.3.5 جاذبیت اور کشش

جاہلی دور کے عرب گرچہ سادگی پسند تھے لیکن زورِ بیان اور طرز کلام میں انہیں ملکہ حاصل تھا۔ جب کسی موضوع پر گفتگو کرتے تھے تو الفاظ کا انتخاب اس اہتمام سے کرتے تھے کہ مفہوم کی صحیح تصویر ذہن میں نمایا ہوجاتی تھی۔ قصوں میں

کہانیوں میں، واقعات کی منظر کشی میں مناسب الفاظ کے انتخاب پر انہیں زبردست قدرت حاصل تھی۔ان کی تقریروں میں الفاظ کی قوت کا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔ایک ایک لفظ اپنا وزن ثابت کرتا ہے۔اسی طرح واقعہ بیانی کا فن امتیازی شان رکھتا تھا۔الفاظ میں کشش اور تعبیر میں سحر آفرینی پائی جاتی تھی۔

3.3.6 الفاظ میں یکسانیت اور موسیقیت

جملے چھوٹے چھوٹے ہوتے تھے اور یکساں شکل کے یا مشابہ الفاظ پر ختم ہوتے تھے جس کی وجہ سے ادائیگی میں موسیقیت کی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی۔اس طرح کا اسلوب خاص طور پر سجع میں دیکھنے کو ملتا ہے۔سجع کہتے ہیں کبوتر کی آواز کو جب وہ یکساں طرز پر اپنی آواز کو بار بار دہراتا ہے۔عرب میں جاہلی دور کے لوگ غیب کی باتوں کو معلوم کرنے کے لئے یا کسی سفر پر نکلنے سے پہلے حالات کا اندازہ لگانے کے لئے کاہنوں کے پاس جاتے تھے۔کاہن ان لوگوں کو کہتے ہیں جو پیشیں گوئی کیا کرتے تھے۔جب کوئی شخص حالات یا خطرات کی خبر لینے کے لئے ان کاہنوں کے پاس جاتا تھا تو وہ کاہن چھوٹے چھوٹے جملوں کا استعمال کر کے اپنے جواب کو سجع اور موسیقیت سے آراستہ کرتے تھے۔جملے یکساں شکل کے الفاظ پر ختم ہوتے تھے۔اس طرح عبارت میں نغمہ کی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی۔

3.3.7 حکمت

عربوں کی زندگی صحرائی احوال سے دوچار تھی۔صحرا میں حالات ایک جیسے نہیں رہتے ہیں۔اس وجہ سے انہیں حالات کے پیش نظر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا پڑتا تھا۔چنانچہ ان کی زندگی میں سفر کی کثرت تھی۔سفر کی زیادتی نے انہیں تجربات کا ذخیرہ عطا کر رکھا تھا۔ان تجربات کی کثرت سے انہیں حکمت کا سرمایہ میسر تھا۔عرب اپنی گفتگو میں حکمت کے اس سرمایہ کا بکثرت استعمال کرتے تھے۔حکمت کی ان باتوں سے نوجوانوں کو اور قبیلہ کے دوسرے لوگوں کو بھی باخبر کرتے تھے۔اور چونکہ عرب اپنی تاریخ، آباؤ اجداد کے واقعات، اور قبائل کے احوال اپنے ذہن و دماغ میں محفوظ رکھتے تھے اس لئے جب کبھی بات کرتے تھے تو ماضی کے ان واقعات سے عبرت حاصل کرتے ہوئے مخاطب کے سامنے حکمت کی باتیں رکھتے تھے۔عرب ان باتوں کی کافی قدر کرتے تھے۔اور انہیں امانت کے ساتھ آئندہ نسلوں کو منتقل کرتے تھے۔

3.3.8 تشبیہ

کلام عرب میں تشبیہات کی کثرت نظر آتی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی بات کو صحیح شکل میں پیش کرنے کے لئے

کسی مانوس شئ سے تشبیہ دے کر اس کی حقیقت بتائی جاتی تھی۔عرب بات چیت کے دوران کسی منظر کی صحیح تصویر پیش کرنے کی کوشش کرتے تھے اس لئے تشبیہ دے کر مضمون کو کما حقہ واضح کرتے تھے۔اس طرز تخاطب سے جہاں ایک طرف زبان پر قدرت نظر آتی ہے وہیں زبان کے استعمال میں ذوق لطیف کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔اس کے علاوہ یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ ان کے یہاں تجربات کی کسی قدر وسعت تھی کہ چیزوں کو ان کی حقیقت کے ساتھ پہچانتے تھے۔ان کی باریکیوں سے متعارف تھے چنانچہ موقعہ کی مناسبت سے ان کا بخوبی استعمال کرتے تھے۔یہی وجہ رہی کہ ان کی زبان میں کشش اور چاشنی پائی جاتی تھی۔مخاطب کو مفہوم کلام کے ادراک میں مدد ملتی تھی نیز کلام کی معنویت بحسن وخوبی ابھر کر سامنے آتی تھی۔

3.3.9 فکر کی سلامتی

فکر کی سلامتی کا مطلب یہ ہے کہ صاحب کلام کے ذہن میں کلام کا خاکہ واضح رہتا ہے۔چنانچہ عرب جب بات کرتے تھے تو جس موضوع پر انہیں اظہار خیال کرنا ہوتا تھا اس کا خاکہ ذہن میں ثبت رہتا تھا۔لہٰذا دوران گفتگو انہیں الفاظ کے استعمال میں دشواری نہیں ہوتی تھی اور نہ ہی کلام میں پیچیدگی واقع ہوتی تھی۔بات کرتے ہوئے بغیر کسی ابہام یا پیچیدگی غرض کلام کو مخاطب کے سامنے پیش کر دیتے تھے۔فکر کی سلامتی کی وجہ سے جملے بھی کسی نوعیت کے الجھاؤ سے محفوظ رہتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ کلام عرب میں روانی اور مفہوم کلام کی وضاحت پائی جاتی تھی۔

3.3.10 نصیحت اور بصیرت

حکمت کے ساتھ نصیحت اور خیر خواہی کے عناصر بھی نثر جاہلی میں نظر آتے ہیں۔عرب چونکہ قدرتی احوال کا بہت قریب سے مشاہدہ کرتے تھے لہٰذا ان احوال سے عبرت بھی حاصل کرتے تھے۔حالات سے سبق سیکھتے تھے۔آمدورفت کی وجہ سے مختلف طبیعت کے لوگوں سے ان کا سابقہ پڑتا تھا۔لوگوں کے ساتھ ملنے جلنے سے معلومات میں اضافہ ہوتا تھا۔اس وجہ سے زندگی کے پیچ وخم میں انہیں غایت درجہ کی بصیرت حاصل تھی۔چنانچہ ان کے کلام میں نصیحت وبصیرت کی باتیں ابھر کر سامنے آتی تھیں۔

3.3.11 ایجاز

ایجاز کا مطلب جامعیت ہے یعنی مختصر الفاظ میں معنی کی بھرپور نمائندگی الفاظ اس قدر بامعنی ہوتے تھے کہ ہر ایک لفظ وقیع ہوتا تھا۔مختصر الفاظ میں معنی مکمل طور پر واضح ہوجاتا تھا۔غیر ضروری الفاظ کے ذریعہ جملے کو وہ بے مزہ نہیں

کرتے تھے۔ کیونکہ عربوں کا ذوق بہت ہی معیاری تھا۔ غیر ضروری تعبیر ان کے لئے عدم توجہ کا سبب بن جاتی تھی۔ اور کلام میں اگر غیر ضروری الفاظ کا استعمال کیا جاتا تو صاحب کلام معتوب قرار پاتا تھا۔ گویا اس کو زبان پر قدرت حاصل نہیں ہے۔ چنانچہ جب وہ بات کرتے تو الفاظ کا استعمال نہایت اہتمام سے کرتے تھے کہ ہر لفظ اپنی جگہ مستقل وزن رکھتا ہو اور اس کی معنویت سے انکار محال ہو۔

3.3.12 جذبات کی صداقت

جو بھی بات کی جاتی اس میں سچائی اور صداقت کے ساتھ اپنے احساسات کا اظہار کرتے تھے۔ اسی وجہ سے گفتگو مضبوط اور جملے مربوط ہوتے تھے۔ الفاظ دل کی گہرائی سے بغیر کسی تکلف اور تصنع کے نکلتے تھے۔ دل کے اندر جو کیفیت پائی جاتی تھی الفاظ اس کی بہترین نمائندگی کرتے تھے۔ اس طرح مخاطب ان کے جذبات کی حقیقت پہچاننے پر قادر ہو جاتا تھا۔

3.3.13 حسن ترکیب

جملہ میں الفاظ کا استعمال اس قدر خوبی کے ساتھ کیا جاتا تھا کہ معنی میں اشتباہ یا التباس پیدا نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ مخاطب معنی کو بعینہ غرض کلام کے مطابق سمجھتا تھا۔ الفاظ جملہ میں مربوط ہوتے تھے کہیں بھی ڈھیلا پن نہیں جھلکتا تھا۔ اس سے بخوبی اندازہ ہوتا تھا کہ کلام کس قدر فصیح ہے۔ اور عبارت میں کس قدر قوت اور جاذبیت ہے۔

3.314 ماحول اور معاشرہ کی منظر کشی

نثر جاہلی کا مطالعہ کرنے اس دور کی صحیح تصویر آنکھوں کے سامنے نمایاں ہو جاتی ہے۔ اس دور کی تہذیب، فکر وزبان کی قوت، خیال کی رعنائی، تجربات کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ضرب الامثال اور حکمت کی باتوں کا جائزہ لیا جائے تو ان کے معاشرہ کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ وہاں کی رسم وروایت کا اندازہ ہوتا ہے ان کے معاشرہ کی ترجیحات اور رغبات سے واقفیت ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ امثال وحکم ان کی روزمرہ کی زندگی سے ماخوذ تھے۔ اور ان کی عمومی سرگرمیوں سے وابستہ تھے۔

3.4 نثر جاہلی کے فنون

نثر جاہلی کی خصوصیات سمجھنے کے لئے نثر جاہلی کے فنون کا مطالعہ ضروری ہے۔ یہ فنونِ نثر قصہ، خطابت، وصایا،

امثال، حکم اور سجع پر مشتمل ہیں۔ بعض ناقدین قصہ کو فنون نثر جاہلی میں شمار کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ اس کے پیچھے وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ جاہلی دور میں قصہ کا وجود تحریری شکل میں نہیں تھا۔ اور جن لوگوں نے ان قصوں کو زبانی یا محض حافظہ کی بنیاد پر نقل کیا ہے وہ اس بات کی ضمانت نہیں دے سکتے ہیں کہ انھوں نے بعینہ وہی الفاظ اور تعبیرات کا استعمال کیا ہے جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھے۔ قصوں کی زبان اور تعبیرات میں عدم اعتماد کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ یہ قصے خلافت عباسیہ کے زمانہ میں مرتب کئے گئے۔ جاہلی دور سے لے کر عباسی سلطنت تک کا جو زمانی فاصلہ ہے وہ غیر معمولی ہے۔ اس دوران یقیناً زبان و تعبیر میں تبدیلیاں آئی ہوں گی۔ اور چونکہ ان تبدیلیوں کا امکان پایا جاتا ہے لہٰذا قصوں کی زبان کو دور جاہلیت کی زبان قرار دینا قابل اطمینان معلوم نہیں ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا شکوک وشبہات کے باوجود یہاں پر صرف اتنا کہنا مناسب ہے کہ عربی ادب کی تاریخ پر گہری نظر رکھنے والے نامور مصنف شوقی ضیف نے اعتراف کیا ہے کہ قصوں کا وجود تھا۔ اور زبان قابل اعتماد ہے۔ انھوں نے کہا ہے کہ باوجود یہ کہ بعینہ اسی زمانہ کی زبان کی ضمانت نہیں دی جاسکتی ہے۔ یہ حقیقت اپنی جگہ ثبت ہے کہ عربوں نے زبان وقصوں کی بنیاد کو بہت حد تک محفوظ رکھا ہے۔ عرب زبان کی چاشنی اور اس کی حلاوت سے واقف تھے۔ زبان کا ذوق بھی رکھتے تھے۔ اور جاہلی دور کی زبان سے ان کا شغف یقیناً ناقابل فراموش ہے۔ کیونکہ وہ خود اس دور کی زبان کو اہمیت دیتے تھے۔ لہٰذا اس کی قدر بھی کرتے تھے۔

3.4.1 قصہ

جاہلی دور سے وابستہ جو قصے تدوین کئے گئے ہیں ان میں محبت کے واقعات ہیں۔ جنگ وجدال اور آپسی قتل وغارت کی داستانیں ہیں۔ یہ داستانیں ان جنگوں کی نمایاں شخصیات کے گرد گھومتی ہیں۔ یہ داستانیں عربوں کی ذہنی تربیت اور جذبہ وفکر میں قوت پیدا کرنے کا زبردست وسیلہ تھیں۔ ان کارناموں کے ذریعہ وہ اپنے اسلاف کی عظمت رفتہ کو یاد رکھتے تھے اور اپنے قبیلہ کے لیے قابل فخر سرمایہ تصور کرتے تھے۔ یہ کہانیاں بہت سارے پہلوؤں سے ان کے لیے سودمند اور مفید ہوتی تھیں۔ ان میں حکمت کی باتیں ملتی تھیں۔ عبرت ونصیحت کے عناصر پائے جاتے تھے۔ کسی مسئلہ میں صحیح طریقۂ کار اختیار کرنے کا سلیقہ حاصل ہوتا تھا۔ کسی معاملہ کو خوش اسلوبی سے انجام دینے کی ترکیب سمجھ میں آتی تھی۔ ان قصوں کی روشنی میں قوت ادراک کو فروغ حاصل ہوتا تھا وغیرہ وغیرہ۔ ان منافع کے علاوہ زبان کے اعتبار سے بھی انہیں نفع حاصل ہوتا تھا۔ قصہ گو رواں اور مؤثر زبان استعمال کرتا تھا تاکہ مخاطب کے اندر شوق ورغبت برقرار رہے۔

عرب کو زبان کی حلاوت سے دلچسپی تھی۔ اچھی تعبیرات کو پسند کرتے تھے۔ حسن بیان کو قیمتی سرمایہ مانتے تھے۔ فصاحت و بلاغت کے ذریعہ اپنی شناخت قائم کرتے تھے۔ ان وجوہات کی بناء پر انہیں قصہ سے اور فن قصہ گوئی سے محبت تھی۔ ان قصوں سے انہیں یہ بھی نفع حاصل ہوتا تھا کہ فارغ اوقات میں لوگوں کو یکجا کر کے ایک مجلس قائم کرلیں۔ ان مجالس کے ذریعہ لوگوں کے بیچ فکر و تجربہ کی باتیں آجائیں۔ ان مجلسوں میں بڑے بوڑھے، نوجوان سبھی شامل ہوتے تھے۔ خواتین و دوشیزائیں بھی پردہ کے پیچھے بیٹھ کر ان واقعات کے سننے میں دلچسپی لیتی تھیں۔

ان قصوں کی وجہ سے نثر عربی کو فروغ حاصل ہوا۔ نقل و روایت کا سلسلہ جاری رہا۔ عصر عباسی میں ماہرین زبان نے ان قصوں کو نہایت اہمیت کے ساتھ یکجا کیا۔ اور انہیں بہت منظّم طریقہ سے ترتیب دی ہے۔ ان کی منظّم تدوین کی بہترین مثال وہ ہے جو ابوعبیدہ کے حوالہ سے مشہور ہے جس میں انھوں نے جریر و فرزدق کے نقائض سے متعلق پس منظر کی تشریح کی ہے۔

کاہنوں کے متعلق بھی عرب داستانیں بیان کیا کرتے تھے۔ اپنے شعراء اور سرداروں سے وابستہ روداد بھی سنایا کرتے تھے۔ اس طرح کی داستان گوئی کا باقاعدہ رواج تھا۔ اس پس منظر میں الاغانی کے صفحات پر نظر دوڑائی جائے تو ایسی کہانیوں کا تذکرہ بکثرت ملتا ہے۔ ان کہانیوں میں جذباتی لگاؤ اور عشق و محبت کی داستانیں بھی بڑی تعداد میں ملتی ہیں۔ بطور مثال یہاں ایک قصہ بیان کیا جاتا ہے جو کلہاڑی اور سانپ سے متعلق ہے۔

3.4.2 کلہاڑی اور سانپ کا قصہ

الضبّی بیان کرتا ہے ''لوگوں کا خیال ہے کہ گزشتہ زمانہ میں دو بھائی تھے۔ ان کے پاس ایک اونٹ تھا۔ حالات ایسے آئے کہ ان کے وطن میں قحط پڑ گیا۔ ان کے گھر سے قریب ایک وادی تھی جس میں ایک سانپ رہتا تھا۔ اس سانپ کی وجہ سے وہ وادی کسی کے قبضہ میں نہیں آسکی۔ ان بھائیوں میں سے ایک نے دوسرے سے کہا'' کاش میں اس سرسبز وادی میں جا کر اپنے اونٹ چَراتا اور انہیں صحت مند بناتا''۔ بھائی نے جواب دیا ''تمہارے معاملہ میں مجھے اس سانپ کا خدشہ معلوم ہوتا ہے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ جو بھی کوئی اس وادی میں پہونچتا ہے تو سانپ اس کو ہلاک کر دیتا ہے''۔ اس نے پرزور طریقہ سے کہا کہ ''میں اس وادی میں ضرور جاؤں گا''۔ یہ کہہ کر وہ اس وادی میں چلا گیا۔ ایک زمانہ تک وہاں اونٹ چرانے کا سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ ایک دن اس سانپ نے اسے ڈس لیا اور وہ ہلاک ہوگیا۔ بھائی کو اس کا صدمہ ہوا اور اس نے کہا کہ ''میرے بھائی کی موت کے بعد اب میرے لیے اس زندگی میں کوئی بہتری نظر نہیں آتی

ہے۔ میرے لیے زیبا یہی ہے کہ جا کر میں اس سانپ کو تلاش کروں اور اسے مار ڈالوں یا میں خود بھی اپنے بھائی کے نقش قدم پر اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں یہ کہہ کر بھائی اس وادی میں پہونچا۔ سانپ سے ملاقات ہوئی تو سانپ نے کہا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں نے تمہارے بھائی کو قتل کر دیا ہے۔ ہاں اگر تم مصالحت کا ارادہ رکھتے ہو تو میں تمہیں اس وادی میں رہنے دوں گا۔ تم یہاں رہو اور جب تک تم یہاں رہو گے ہر روز میں تمہیں ایک دینار عطا کروں گا۔'' اس نے پوچھا'' کیا واقعی تم ایسا کرو گے؟ سانپ نے کہا'' ہاں''۔ اس پر اس نے کہا'' تو میں بھی مصالحت کے ساتھ رہوں گا''۔ اس نے قسم کھا کر سانپ کو یقین دلایا اور عہد و پیمان باندھا کے اسے نقصان نہیں پہونچائے گا۔ سانپ نے اسے ہر روز ایک دینار دینا شروع کر دیا۔ اس طرح دولت کی فراوانی ہوگئی۔ اونٹوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہو گیا۔ یہاں تک کہ لوگوں میں سب سے زیادہ خوشحال شمار کیا جانے لگا۔ پھر ایک دن بھائی کی یاد آ گئی تو خیال آیا کہ ایسی زندگی کا کیا فائدہ کہ میں اپنے بھائی کے قاتل کو روز دیکھتا ہوں؟ یہ سوچ کر اس نے کلہاڑی اٹھائی اسے تیز دھار کیا اور سانپ کی گھات میں بیٹھ گیا۔ سانپ کا اس کے پاس سے گزر ہوا۔ اس شخص نے سانپ کا پیچھا کیا اور اس پر حملہ کیا۔ حملہ چوک گیا۔ سانپ بل میں گھس گیا۔ اس نے کلہاڑی پہاڑ پر پھینک دی۔ تو وہ کلہاڑی اس بل کے اوپر جا پڑی۔ کلہاڑی کے اثر سے اس سانپ کا بل تباہ ہو گیا۔ سانپ نے دیکھا کہ اس شخص نے اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا تو اس نے دینار دینے کا عمل بند کر دیا۔ اس شخص نے جب یہ حالت دیکھی تو اسے اس سانپ سے خطرہ کا احساس ہوا اور اپنے اس عمل پر شرمندہ ہوا۔ اس نے سانپ سے کہا کہ کیا ممکن ہے کہ ہم دوبارہ باہم اتفاق کر لیں اور معاہدہ کی تجدید کر لیں تا کہ ہم دوبارہ اس طرح رہنے لگیں جس طرح پہلے رہ رہے تھے۔ سانپ نے جواب دیا اب کیسے معاہدہ پر بھروسہ کیا جائے؟ یہ دیکھو، تمہاری کلہاڑی کی وجہ سے تباہی سامنے ہے اور تم خطا کار ہو۔ تم تو عہد و پیمان کا پاس و لحاظ بھی نہیں رکھتے ہو!۔

عرب قوم میں سانپ اور کلہاڑی کی یہ کہانی بہت مشہور تھی۔ النابغۃ الذبیانی نے اس قصہ پر شاعری بھی کی ہے۔ الضبّی نے قصیدہ کا وہ حصہ نقل کیا ہے جس میں چرواہے کی سانپ کے ساتھ خیانت اور عہد شکنی کا تذکرہ ہے۔ اس طرح کے قصوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کے نزدیک داستاں گوئی میں نصیحت و عبرت تھی، آپس میں وہ واقعات سنایا کرتے تھے۔ اس طرح کی داستانیں ہندوستان میں رائج کہانیوں سے ملتی جلتی ہیں۔ ہندوستان میں جانوروں سے متعلق کہانیاں مشہور تھیں۔ نیز ہندوستانی تہذیب میں سانپ کو اہمیت بھی دی جاتی ہے۔ اس کا امکان ہے کہ سانپ اور کلہاڑی کی کہانی ہندوستانی داستانوں سے متاثر ہو کر تیار کی گئی ہو۔ جس طرح یونانی داستانوں کے اثرات عرب کے قصوں پر

مرتب ہوئے تھے۔ان داستانوں میں کاشتکار اور سانپ کی داستان عرب میں بہت مشہور ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ عرب اور یونان میں اس طرح کی داستانیں ہندوستان سے پہونچی ہوں۔

جاہلی دور کے عرب میں جن، دیو اور شیطان سے متعلق کہانیاں مشہور تھیں۔خیال کیا جاتا تھا کہ یہ لوگ جو بھی شکل چاہیں اختیار کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔سوائے چڑیل کے۔ چڑیل ہمیشہ عورت کی ہی شکل میں نمودار ہوتی تھی۔ لیکن اس کے پیر عورت کے پیر کی طرح نہیں ہوتے تھے بلکہ گدھے کے پیر کے مشابہ ہوتے تھے۔جنوں کے متعلق آتا ہے کہ وہ اکثر بیل، کتے، شتر مرغ اور گدھ کی شکل میں سامنے آتے تھے۔عرب یہ بھی عقیدہ رکھتے تھے کہ جنوں کی اصل قیامگاہ ویران علاقہ میں ہوتی ہے، صحراء وریگستان میں ہوتی ہے۔ ان سے متعلق بے شمار قصے کہانیاں داستانوں کی کتابوں میں اور عجیب وغریب واقعات کے مجموعوں میں شامل ہوگئیں۔جنہیں عباسی دور میں مرتب کیا گیا۔ان واقعات کا تذکرہ اس لیے نہیں کیا گیا ہے کہ یہ جاہلی دور کی بہترین کہانیاں ہیں۔اور مطالعہ کے اعتبار سے قابلِ اعتماد نمونہ ہیں۔ بلکہ اس وجہ سے کیا گیا ہے کہ اس طرح کی کہانیاں اس زمانے میں رائج تھیں لیکن ان کی کوئی مدوّن شکل موجود نہیں تھی۔ بلکہ صرف داستاں گوئی کے طرز پر رائج تھیں۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نثر تو موجود تھی لیکن کتابی شکل میں نہیں تھی۔

3.5 سجع الکہان

قصہ کے علاوہ نثر جاہلی کی خصوصیات سے واقفیت کے لئے سجع الکہان کا بھی تذکرہ آتا ہے۔سجع الکہان سے مراد کاہنوں کی مسجع عبارت ہے۔کاہن اس کو کہتے جو آنے والے احوال کی پیش قیاسی کرتا ہے۔ مستقبل کے حالات کے متعلق خبر دیتا ہے۔ جو لوگ عقیدہ کے اعتبار سے کمزور ہوتے ہیں وہ مستقبل کے امکانات اور خطرات سے خوفزدہ ہوکر ان کاہنوں کے پاس جاتے ہیں۔ان کے سامنے احوال رکھ کر اپنی حفاظت کے راستے دریافت کرتے ہیں۔

اسلام سے قبل جاہلی دور میں شرک وبت پرستی کا ماحول تھا۔ چنانچہ لوگوں میں ایک ایسا طبقہ پایا جاتا تھا جو یہ یقین رکھتا تھا کہ کاہنوں کو غیب کی باتوں سے واقفیت رہتی ہے۔ان معلومات کو حاصل کرنے کے لئے جنوں کا استعمال ہوتا تھا جو غیب کی باتیں لے کر آتے تھے۔ یہ جن فرمانبردار ہوتے تھے اور اپنے مالک کا حکم مانتے تھے۔ مالکین کے اس طبقہ کو کھَنة یا کہان کہا جاتا تھا۔اس کا واحد کاہن ہے۔ان کاہنوں کی اکثریت کسی بت خانہ میں یا کسی ایسے گھر میں رہتی تھی جو عمومی گھروں سے علیحدہ ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ کاہنوں کا طبقہ عوام کی نگاہ میں تقدس اور احترام کا رتبہ رکھتا تھا۔ان کی رہائش کا انداز عام لوگوں سے جدا تھا۔لوگ بسا اوقات اپنے اختلافات اور لڑائی جھگڑوں کے مسائل حل کرانے کے لئے بھی ان

کاہنوں کے پاس پہونچتے تھے۔اپنے معاملوں میں انہیں حکم قرار دے کران سے فیصلے کراتے تھے۔جیسا کہ ہاشم بن عبد مناف اورامیہ بن عبدشمس کے باہم اختلاف کے موقعہ پرالخزاعی نامی کاہن کوحکم بنایا گیا تھا۔اس کے علاوہ ذاتی مسائل میں بھی لوگ کاہنوں سے مشورہ لیا کرتے تھے مثلاً شوہر بیوی کے درمیان اختلاف کا مسئلہ،کسی کے قتل کا مسئلہ،کسی کا اونٹ دوسرے نے مارڈالا یا ذبح کردیا،یا آپسی اتحاد میں پھوٹ کا مسئلہ،جس کی وجہ سے کوئی قبیلہ باہم عہد و پیمان کونظر انداز کرکے جنگ میں کسی دوسرے قبیلہ کے خلاف ساتھ دینے سے پیچھے ہٹ گیا ہو،یا کسی کے خلاف جنگ چھیڑنے کا مسئلہ وغیرہ وغیرہ۔

بنواسد کی روایتوں میں آتا ہے کہ امرؤالقیس کے باپ حُجر کی بنواسد کے خلاف کچھ ناچاقی ہوگئی تو اپنے لوگوں کو بنواسد کے خلاف روانہ کیا۔بنواسد نے بھی مقابلہ کے لئے پیش قدمی کی۔یہاں تک کہ تہامہ سے صرف ایک دن کی مسافت کے مقام پر جب یہ پہونچے تو ایک کاہن سے ملاقات ہوئی۔اس کا نام عوف بن ربیعہ تھا۔اس نے اپنے طور پر پیش قیاسی کی۔چنانچہ بنواسد سے اس نے کہا:

''اے میرے بندو!'' بنواسد نے جواب دیا! ''لبیک اے ہمارے آقا''۔تو عوف نے کہا: ''یہ کون بادشاہ ہے جوسرخ وسفید روشن چہرہ والا ہے۔زورآور ہے۔غالب رہتا ہے۔اس پر کوئی غالب نہیں ہوسکتا ہے۔ایسے اونٹوں کے ساتھ رہتا ہے جو ہرن کے ریوڑ کے مثل معلوم ہوتے ہیں۔شور ہنگامہ سے وہ پریشان نہیں ہوتا ہے۔یہ اس کا خون ہے جو بہہ رہا ہے۔کل صبح یہ پہلا شخص ہوگا جس کی روح نکال لی جائے گی''۔بنواسد کے لوگوں نے پوچھا میرے آقا! وہ کون شخص ہے؟ عوف نے کہا: اگر کوئی جوش میں نہ آئے تو میں بتاؤں کہ وہ حُجر ہے جو اپنے علاقہ کے اطراف میں ہوگا''۔

یہ سن کر بنواسد کے لوگوں نے موقعہ کوغنیمت سمجھا۔راتوں رات تمام دشواریوں اور مشقتوں کو برداشت کرتے ہوئے اپنا سفر طے کیا۔یہاں تک کہ جوں ہی صبح ہوئی یہ لوگ حجر کے لشکر کے پاس پہونچ گئے۔اور حجر کے خیمہ پر حملہ کرکے اسے قتل کردیا۔

اس زمانہ کے کاہن اکثر وبیشتر قبائل کو ایسی جنگوں کے متعلق باخبر کیا کرتے تھے کہ ان کی توقع بھی نہیں کی جاتی تھی۔مزید یہ کہ لوگوں کے ذہن میں آنے والے خیالات کی تفسیر بتائے تھے۔یا کسی نے خواب دیکھا تو اس کی تعبیر بھی بیان کرتے تھے۔ادب اور تاریخ کی کتابوں میں ان کاہنوں کے نام ملتے ہیں۔مثلاً شِق بن الصعب۔اس کے متعلق بتایا

جاتا ہے کہ وہ جزوی طور پر انسان کی شکل رکھتا تھا۔اس کی صرف ایک آنکھ تھی۔ ہاتھ بھی ایک ہی تھا۔ پیر بھی صرف ایک ہی تھا۔اسی طرح سطیح بن ربیعہ الذ ئبی کے متعلق آتا ہے کہ اس کے جسم میں ہڈی نام کی کوئی چیز نہیں تھی، سوائے کھوپڑی کے۔اس کا چہرہ اس کے سینہ میں تھا۔اس کی گردن تھی ہی نہیں۔

مرد کاہنوں کے علاوہ خواتین کاہن بھی ہوا کرتی تھیں۔انہیں کاہنات کہا جاتا تھا۔انھوں نے خود کو معبودوں کی خدمت کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ بت کدوں میں ان کی رہائش ہوا کرتی تھی۔ان کاہنات میں سب سے مشہور الشعثاء تھی اور ذوالخَلَصَہ کی کاہنہ بھی شہرت رکھتی تھی۔ان کے علاوہ کاہنہ السعدیہ اور الزرقاء بنت زھیر بھی معروف تھیں۔اسی طرح غیطلہ قرشیہ اور بنورنام کی کاہنہ زَبراء کے نام بھی ملتے ہیں۔

3.6 معلومات کی جانچ

1. نثر جاہلی کی خوبیوں کا جائزہ لیجئے۔
2. زبان وادب کے حلقہ میں نثر جاہلی کو اہمیت کیوں حاصل ہے؟
3. کن وجوہات کے تحت جاہلی دور کے عرب اپنی نثر میں سہل اور مانوس الفاظ کا استعمال کرتے تھے؟
4. نثر جاہلی میں مختصر جملوں کی کیا اہمیت ہے؟
5. ایجاز اور اطناب کے متعلق آپ کیا جانتے ہیں؟
6. حکمت سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟

3.7 خلاصہ

نثر جاہلی کی خصوصیات یہ ہیں کہ زبان صاف اور رواں ہوتی تھی۔کلام میں رونق اور رعنائی پائی جاتی تھی۔انداز گفتگو میں کشش اور حلاوت پائی جاتی تھی۔عرب اپنے کلام کو آسان اور مختصر تعبیرات سے آراستہ کرتے تھے۔پیچیدہ تعبیر استعمال کرنا ان کے یہاں ناپسندیدہ تھا۔چھوٹے چھوٹے جملوں کا استعمال کر کے اپنی غرض واضح کیا کرتے تھے۔اس طرح مخاطب کو کلام کا مقصود سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی تھی۔مختصر جملوں سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ عرب اپنی گفتگو کے وقت مفہوم کے اعتبار سے اور مقصودِ کلام کے اعتبار سے بالکل واضح نقشہ اپنے ذہن میں رکھتے تھے۔جس کی وجہ سے بات کرتے وقت چھوٹے چھوٹے جملوں میں صراحت کے ساتھ مطلوب کلام مخاطب کے سامنے رکھ دیتے

تھے۔یہی وجہ تھی کہ وہ نہایت سکون واطمینان سے قابل فہم انداز میں اپنا مدعا بیان کر دیتے تھے۔اسلوب کلام میں کشش پیدا کرنے کے لئے وہ اندازِ بیان میں تنوع اختیار کیا کرتے تھے۔کبھی جملہ خبریہ کا استعمال کرتے تھے تو کبھی جملہ انشائیہ کا۔غرضِ یہ ہوتی تھی کہ مخاطب کی توجہ کلام کی طرف برقرار رہے۔اور چونکہ عرب کے پاس حسن تعبیر کا ذوق تھا اس لئے اس طریقۂ کار کے ذریعہ اپنی زبان کو جاذبیت عطا کرتے تھے۔اور مخاطب کے ذہن میں تجسس کی کیفیت بھی پیدا کرنا مقصود ہوتا تھا۔زبان پر قدرت حاصل ہونے کی وجہ سے عرب اپنے انداز بیان میں اطناب کا طرز بھی اختیار کرتے تھے۔تاکہ موضوع کلام کا پس منظر واضح ہوجائے اور غرض کلام کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی جاسکے۔اطناب کے ذریعہ مخاطب کے ذہن میں مضمون بحسن وخوبی ثبت ہوجاتا ہے۔جاہلی دور کی زبان کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ زبان مکمل طور پر پختہ اور ترقی یافتہ تھی۔الفاظ وتعبیرات کے لئے صاحب کلام کو کسی طرح کی تنگی یا دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑتا تھا۔بلکہ ایک ایک معنی کے لئے متعدد الفاظ مل جاتے تھے۔چنانچہ جب وہ بات کرتے تھے تو بسا اوقات ان کے کلام میں موسیقیت کا اثر محسوس ہوتا تھا۔ہم وزن الفاظ کے استعمال اور یکساں جملوں کی ترکیب سے مخاطب کے دل و دماغ پر سرور کی کیفیت طاری ہوجاتی تھی۔اور وہ گفتگو سے محظوظ ہوتے تھے اس طرح کے جملے خاص طور پر خطبوں میں، تقریروں میں نیز کاہنوں کے کلام میں سننے کو ملتے تھے۔ان کے علاوہ امثال اور حکم میں بھی ہم وزن الفاظ کا استعمال نظر آتا ہے۔زبان کی حلاوت کے علاوہ نثر جاہلی میں حکمت کے عناصر بھی پائے جاتے ہیں۔اپنی بات کو باوزن بنانے کے لئے عرب اپنے تجربات اور مشاہدات کی بنیاد پر قیمتی تبصرے بھی کرتے تھے جن کی تہہ میں پند ونصائح اور تربیت وذہن سازی کے لئے گراں قدر رہنمائی کے اشارے ہوتے تھے۔چونکہ عرب اپنی تاریخ، آباؤ اجداد کے احوال، قبائل کے واقعات اپنے ذہن میں محفوظ رکھتے تھے۔اس لئے دوران بیان ان واقعات سے عبرت اخذ کرتے ہوئے مخاطب کو حقیقت حال سے روشناس کراتے تھے۔اپنے مشاہدات کی صحیح تصویر پیش کرنے کے لئے عرب اپنے کلام میں تشبیہات کا بھی استعمال کرتے تھے۔اس سے ان کی باریک بینی کا اندازہ ہوتا ہے کہ کسی چیز کو اس کی حقیقت کے ساتھ، پہچانتے تھے۔اور ذوق لطیف کی بنیاد پر تشبیہ اختیار کرتے تھے۔جس کی وجہ سے کلام میں حسن پیدا ہوجاتا تھا اور مخاطب موضوع کی حقیقت تک رسائی حاصل کرلیتا تھا۔اسی طرح انہیں فکر کی سلامتی میسر تھی۔کہ جب بات کرتے تھے تو ذہن کسی قسم کے الجھاؤ کا شکار نہیں رہتا تھا بلکہ کلام کا مضمون ذہن میں واضح رہتا تھا۔لہٰذا جب وہ بات کرتے تھے تو بالکل یکسوئی کے ساتھ مافی ضمیر ادا کرتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں روانی اور رونق پائی جاتی ہے۔فکر کی سلامتی کی وجہ سے

بلاتردد اپنے خیالات کا اظہار کرتے چلے جاتے تھے۔ کلام عرب میں نصیحت اور بصیرت کے عناصر بھی نظر آتے ہیں۔ کیونکہ ان کے پاس تجربات کا وسیع ذخیرہ تھا۔ زندگی کے پیچ وخم سے وہ خوب واقف تھے۔ چنانچہ جب بات کرتے تھے تو اس میں نصیحت اور بصیرت کا پہلو بھی شامل ہوا کرتا تھا۔ ان تمام خصوصیات کے باوجود ان کا ایک ایک لفظ معنویت سے لبریز رہتا تھا۔ ڈھیلے الفاظ کا استعمال نہیں کرتے تھے بلکہ پرمغز اور پرمعنی الفاظ کا استعمال کرتے تھے جس کی وجہ سے مختصر الفاظ کے ذریعہ معنی واضح ہوجاتا تھا۔ غیر ضروری الفاظ بھر کر جملہ کو دراز نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ایجاز کے ساتھ اپنی بات پیش کرتے تھے۔ ان کی باتوں میں جذبات کی صداقت ہوتی تھی۔ دل میں جیسا احساس ہوتا تھا اسی احساس کی نمائندگی کے لئے مناسب الفاظ کا انتخاب کرتے تھے۔ خواہ وہ جذبات میں بات کررہے ہوں ان کے جملے بہت ہی اچھے انداز میں مربوط ہوتے تھے تاکہ مخاطب کسی طرح مفہوم کے ادراک میں شش وپنج کا شکار نہ ہو۔ نثر جاہلی سے ہمیں اس دور کی تہذیب وثقافت، نیز سماجی احوال کا بھی خوب اندازہ ہوتا ہے۔

3.8 نمونہ کے امتحانی سوالات

1. نثر جاہلی میں کلام کے تنوع سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟
2. جاہلی نثر میں جملۂ انشائیہ کی اہمیت پر اظہار خیال کیجئے۔
3. نثر جاہلی میں الفاظ کی جاذبیت اور موسیقیت پر تبصرہ کیجئے۔
4. کلام عرب میں تشبیہ کی اہمیت اجاگر کیجئے۔
5. نثر جاہلی کی خصوصیات جاننے کے لئے ادب کے کون کون سے فنون سے استفادہ کیا جائے۔
6. نثر جاہلی میں قصہ کی اہمیت پر روشنی ڈالئے۔
7. سجع الکہان سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟
8. کلہاڑی اور سانپ کا قصہ بیان کیجئے۔
9. کاہنات کون ہیں؟ ان کے نام بتایئے۔

3.9 مطالعہ کے لئے معاون کتابیں

1. عربی ادب کی تاریخ — از پروفیسر عبدالحلیم ندوی
2. عربی ادب کی تاریخ — از احمد حسن زیات/ ترجمہ طفیل احمد ندوی
3. عربی ادب کی تاریخ — از محمد کاظم
4. تاریخ الادب العربی (العصر الجاہلی) — از ڈاکٹر شوقی ضیف
5. تاریخ الادب العربی (العصر الجاہلی) — از محمد واضح رشید الحسنی الندوی

اکائی 4 نثر جاہلی کے نمونے۔خطابت

1. خطبۂ قس بن ساعدہ

2. خطبۂ عبدالمطلب

اکائی کے اجزاء

4.1 مقصد

4.2 تمہید

4.3 خطابت

4.4 جاحظ کا موقف

4.5 خطابت کے مقاصد

4.6 شادیوں کے موقع پر خطابت

4.7 مکہ کے خطباء

4.8 قبائل عرب کے خطباء

4.9 خطابت میں جادوئی اثر

4.10 قس بن ساعدہ

4.11 خطبۂ قس بن ساعدہ

4.12 خطبۂ عبدالمطلب بن ہاشم

4.13 خطابت دور جاہلی کی ضرورت

4.14 شعراء پر خطباء کی فوقیت کا سبب

4.15 خطباء کا انداز واسلوب

4.16 خطیب کے اوصاف

4.17 خطابت کی زبان مرسل تھی یا مسجع

4.18 معلومات کی جانچ

4.19 خلاصہ

4.20 نمونہ کے امتحانی سوالات

4.21 فرہنگ

4.22 مطالعہ کے لیے معاون کتابیں

نثر جاہلی کے نمونے۔خطابت

4.1 مقصد

☆ نثر کے نمونۂ خطابت سے واقفیت حاصل ہوگی۔

☆ عربی زبان میں خطابت کی اہمیت کا اندازہ ہوگا۔

☆ عرب کے نامور خطباء کو جاننے کا موقعہ ملے گا۔

☆ عربی زبان کی خطابت میں قوت واسلوب کا پتہ چلے گا۔

☆ دور جاہلی میں حکمت وموعظت کی باتوں کا انکشاف ہوگا۔

4.2 تمہید

نثر جاہلی کے نمونوں کے متعلق کچھ معلومات گزشتہ سبق میں دی گئی ہیں۔زیرنظر اکائی میں خطابت سے متعلق گفتگو کی جائے گی۔آپ نے پڑھا ہے کہ عرب عام طور پر زبان اور ذہن پر اعتماد کرتے تھے۔قوت حافظہ مضبوط ہوتی تھی۔اس لئے ادبی سرمایہ کو زبان وبیان کے ذریعہ منتقل کرتے تھے۔گزشتہ سبق میں قصہ کے متعلق بیان گزرا کہ داستان گوئی کے ذریعہ ادبی سرمایہ بعد کی نسلوں تک پہونچا۔اس کے علاوہ سجع الکہان بھی ایک فن ادب تھا۔جس کے ضمن میں کاہنوں کی زبان اور اسلوب بیان کا ہمیں اندازہ ہوا۔اسی طرح فنِ خطابت بھی ایک اہم فن تھا۔عرب خطابت کو کافی اہمیت دیتے تھے۔بیان وتعبیر پر قدرت رکھنے کی وجہ سے انہیں فن خطابت میں امتیاز حاصل تھا۔قوت بیان کے ذریعہ مخاطب پر جادوئی اثر چھوڑتے تھے۔عقل وذہن کو مسحور کردیتے تھے۔جاہلی دور کے عرب جذباتی صفت کے حامل تھے اس لیے زبان وبیان کا اثر بہت تیزی سے قبول کرتے تھے۔یہی وجہ تھی کہ خطابت کا فن ان کے معاشرہ میں بہت مقبول رہا۔فصاحت وبلاغت میں اپنا معیار رکھنے کی وجہ سے خطبوں اور تقریروں کو بعد کی نسلوں کے لیے مثالی بنا گئے۔

4.3 خطابت

لفظ خطابت دراصل خَطَبَ یخطُبُ خَطابةً و خُطْبةً وخِطْبةً سے ماخوذ ہے۔جس کا معنی کسی کے سامنے اپنی بات رکھنا یا کسی کو متوجہ کرکے اپنی بات پیش کرنا ہے۔

جاہلی دور میں عرب کو اپنی بات رکھنے کا سلیقہ حاصل تھا۔موقع کے اعتبار سے مؤثر انداز میں اپنی غرض رکھتے

تھے۔ادب کے میدان میں ترقی اورفن بلاغت میں مہارت اورفروغ کے لیے تمام مطلوبہ وسائل ان کے یہاں موجود تھے۔وہاں نہ کسی قسم کی آزادی کی کمی تھی اور نہ ہی اپنے جذبات کے اظہار میں کسی قسم کی پابندی کا سامنا تھا۔اس وقت باہمی رسی کشی اورعداوتیں کثرت سے پائی جاتی تھیں جس کی وجہ سے جنگ وجدال کی صورت حال پیدا ہوجاتی تھی۔پھر امن وسلامتی کا ماحول قائم کرنے کی کوشش ہوتی تھی۔اس غرض سے لوگ جمع ہوتے تھے۔یہ نشستیں کسی ایسے باڑہ میں قائم کی جاتی تھیں جہاں خیمے لگائے جاتے تھے،یا کبھی بازاروں میں اور کبھی امراء کے احاطوں میں۔یہ وہ مواقع ہوتے تھے جہاں اہل فن وبلاغت کو اپنی مہارت اور معیار ثابت کرنے کا بہترین موقع دستیاب ہوتا تھا۔کلام کو زیادہ سے زیادہ مؤثر اور پرکشش بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے تھے۔ذاتی صلاحیت،زبان میں مہارت،بیان میں فصاحت وروانی، حاضر دماغی اور فی الفور خیالات کو ترتیب دینے کا ملکہ وہ عناصر تھے جو فن کے فروغ میں ان کا تعاون کرتے تھے۔عربی ادب کے ممتاز ادباء نے ان کے امتیاز کا اعتراف کیا ہے۔

4.4 جاحظ کا موقف

جاہلی دور کے عرب کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے جاحظ کا بیان ہے کہ عربوں سے متعلق ساری ہی چیزیں **فی البدیہ** اور فی الفور تھیں۔ان میں کوئی تیاری یا پیشگی تدبر اور غور وخوض کا عمل نہیں ہوتا تھا۔بلکہ ایک طرح سے الہامی کیفیت ہوا کرتی تھی۔اس میں انہیں کوئی دشواری یا پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا تھا۔نہ ہی اپنی فکر کو ترتیب دینے میں انہیں کوئی تاخیر ہوتی تھی۔حسن بیان کے لیے وہ کسی کی مدد کی بھی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے۔بلکہ جو بھی خیال ذہن میں ابھرتا الفاظ کی شکل میں زبان پر رواں ہوجاتا تھا۔خواہ وہ شمشیر زنی کا موقعہ ہو یا پرامن مجلس میں باہم احوال بیان کرنے کا۔خواہ دو افراد کے بیچ جھگڑے کا معاملہ ہو یا جنگ وقتال کا۔وہ اپنی فکر کو اپنے موقف کے اعتبار سے جملوں میں ڈھال لیتے تھے اور جو مراد ہوتی تھی اسی طرز پر اظہار خیال کردیتے تھے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ معانی کا سلسلہ بندھ گیا ہو۔اور الفاظ ان کی نمائندگی کے لیے ابل رہے ہوں۔گفتگو کا بہترین انداز ان کے یہاں عیاں اور نمایاں رہتا تھا۔بیان کی خوش اسلوبی میں ان کے یہاں کسی قسم کی تنگی یا کمی کا احساس نہیں ہوتا تھا۔بلکہ انہیں اس پر دوسری قوموں کے مقابلہ میں زیادہ قدرت حاصل تھی۔انہیں زبان پر غلبہ حاصل تھا۔ان میں ہر فرد مافی ضمیر کی ادائیگی میں خوش بیان تھا۔بیان وتعبیر میں بلند مقام رکھتا تھا۔ان کے مقررین اپنی تقریروں میں اور بھی ممتاز نظر آتے تھے۔خطابت وتقریر ان کے لیے نہایت آسان عمل تھا۔اس میں خود کو مطمئن محسوس کرتے تھے۔انہیں نہ ہی کوئی دشواری ہوتی تھی اور نہ ہی کسی تیاری کی

ضرورت ہوتی تھی۔ نہ ہی کوئی رکاوٹ پیش آتی تھی اور نہ ہی کسی طرح کی کم مائیگی کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

4.5 خطابت کے مقاصد

جاہلی دور میں ہر شعبہ خطابت کو فروغ دینے میں متحرک وفعال تھا۔ زندگی کے مختلف مقاصد میں اس کا استعمال کیا جاتا تھا۔ آپسی اختلافات کا موقعہ ہو یا حسب ونسب پر تفاخر کا۔ خوبیوں کے تذکرہ کی مجلس ہو یا شان وشوکت کے اظہار کی، خطابت بہر حال قابل قدر بلکہ گرانقدر وسیلہ اظہار تصور کی جاتی تھی۔ تاریخ کی کتابوں میں نامور خطیبوں کے نام ملتے ہیں۔ مثال کے طور پر علقمہ بن عُلاثہ اور عامر بن طفیل کے اختلافات کا مقدمہ ہرم بن قُطبہ الفَزَ اریؔ کے پاس گیا۔ اسی طرح القعقاع بن معبد التمیمی اور خالد بن مالک النہشلی کے اختلاف کا مقدمہ ربیعہ بن حُذارالاسدی کے پاس گیا۔ فریقین کے بیچ تقریروں کے ذریعہ صلح ومفاہمت کی کوشش کی جاتی تھی۔ جاہلی دور میں مقررین جس طرح جنگ کے مواقع پر جوش دلا کر جذبات کو بھڑکانے کی کوشش کرتے تھے، اور افراد قبیلہ کو جنگ کی آگ میں گھس جانے پر آمادہ کرتے تھے اسی طرح لوگوں کے بیچ مصالحت کا عمل بھی کرتے تھے۔ تاکہ دشمنی دور کی جائے۔ جنگ کا ماحول ختم کر کے آپس میں امن وسلامتی قائم کی جائے۔

ان کے علاوہ قوم کے سرداروں اور قبیلوں کے ذمہ داروں کے پاس وفود جایا کرتے تھے۔ ان وفود میں مقررین بھی ہوا کرتے تھے۔ عام طور پر وفد کا قائد شعلہ بیان مقرر ہوا کرتا تھا۔ وہ آگے بڑھ کر قبیلہ کے سردار کے سامنے کھڑا ہوتا اور اپنی قوم کی نمائندگی کرتے ہوئے تقریر کرتا تھا۔ قبیلہ غسان اور قبیلہ منذر کے بادشاہوں کے سامنے تقریروں کی روایت تاریخ میں ملتی ہے۔ خطیب وفد ان کے سامنے کھڑا ہوتا۔ انہیں سلام پیش کرتا۔ سلام پیش کرنے کا انداز بہت ہی جاذب اور طبیعت کو موہ لینے والا ہوتا تھا۔ پھر اپنی قوم کی نیابت کرتا ہوا اپنی غرض وغایت پیش کرتا تھا۔

خود اللہ کے رسول ﷺ کے پاس بھی عربوں نے اپنے مقررین بھیجے تھے۔ وہ مقررین اپنے زور خطابت کے ذریعہ اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے اپنا مدعا رکھتے تھے۔ پھر نبی ﷺ کی طرف سے بھی کوئی خطیب ہوتا تھا جو ان کے اشکالات وسوالات کے جوابات دیتا تھا۔ اس سلسلہ میں قبیلہ تمیم کے وفد کا تذکرہ آتا ہے۔ نبی ﷺ کے سامنے عُطارد بن حاجب بن زرارہ کا خطبہ مشہور ہے۔ بہر حال خطبوں اور تقریروں کا ماحول جاہلی دور میں رائج تھا۔ بادشاہوں، امراء، قوم کے قائدین اور سرداروں کے سامنے مقررین اپنی تقریروں کے ذریعہ غرض وغایت پیش کیا کرتے تھے۔ ان کے علاوہ بڑے بازاروں میں اور میلوں میں بھی خطباء کھڑے ہو جاتے تھے۔ اپنی تقریروں کے ذریعہ لوگوں کو نصیحت

آمیز باتیں بتاتے تھے۔قُسّ بن ساعدہ کے متعلق مشہور ہے کہ وہ بازار عکاظ میں کھڑے ہوکر لوگوں کو خطاب کرتے تھے۔ بازار عکاظ دراصل عرب کے مشہور میلوں میں سے ایک ہے۔اسی طرح مقررین کبھی اپنی قوم کے لوگوں کو اور کبھی اپنے قریبی رشتہ داروں کو بھی مخاطب کر کے وعظ ونصیحت کرتے تھے۔جیسا کہ عامر بن الظَّرب اور اُکثم بن صیفی کے متعلق روایتوں میں ذکر ہے۔

4.6 شادیوں کے موقع پر خطابت

شادیوں کے موقع پر بھی تقریروں کا رواج تھا۔خاص طور پر شرفاء اور باعظمت خاندان کے لوگوں کے یہاں نکاح کے موقع پر یہ تقریریں کی جاتی تھیں۔شادی کی پیش کش کرنے والے خاندان کی طرف سے اس گھرانہ کا کوئی صدر یا سرپرست آگے بڑھتا اور ہونے والی دلہن کے سامنے یا اس کے گھرانہ کی شخصیات کے سامنے نوشہ کی خوبیاں اور خصائص بیان کرتا تھا۔ساتھی ہی ساتھ نوشہ کے گھرانہ کی تعریف کرتا تھا۔

جاہلی دور میں عورتوں کے سامنے شادی کی پیش کش کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ ان الفاظ کے ذریعہ انہیں مخاطب کیا جاتا تھا: **باسمک اللّٰھم ذُکِرتْ فلانۃٌ ، وفلانٌ بھا مشغُوف، باسمک اللّٰھم ، لکِ ماسألتِ ولنا ما أعطیتِ** ،(ترجمہ: اللہ کے نام سے شروع کرتے ہوئے بیان کرتا ہوں کہ فلاں خاتون کا تذکرہ آیا۔فلاں صاحب اس خاتون سے شادی کے خواہاں ہیں۔اللہ کے نام سے بیان کرتا ہوں کہ جو کچھ تم نے مطالبہ کیا وہ تمہارے لیے ہے اور جو کچھ تم نے نوازا وہ ہمارے لیے ہے)۔

شادیوں کے موقعہ پر خطبہ کی نوعیت یہ ہوتی تھی کہ نوشہ کی طرف سے پیش کش کرنے والا بیان کو دراز کرتا تھا۔اور دلہن کی طرف سے جواب دینے والے اختصار سے کام لیتے تھے۔خطبوں کی نوعیت کے متعلق روشنی ڈالتے ہوئے جاحظ کا کہنا ہے کہ آبادی میں رہنے والوں اور وادیوں اور صحراؤں میں رہنے والوں کے خطبے دو طرح کے ہوتے تھے۔ایک تو لمبا ہوتا تھا جب کہ دوسرا مختصر۔ان دونوں خطبوں کے لیے الگ الگ مواقع ہوتے تھے۔اور جدا جدا مقامات بھی ہوا کرتے تھے۔ لمبے خطبے اپنی اہمیت اور اپنی شان رکھتے تھے۔ان میں بہترین جملے اور عمدہ تعبیریں ہوتی تھیں۔ جہاں تک مختصر خطبوں کا تعلق ہے تو ان کی تعداد زیادہ تھی۔روایت کرنے والوں نے انہیں محفوظ رکھا ہے۔ کیونکہ ان کا یاد رکھنا آسان تھا۔خطبوں کی شان اور معیار کی وجہ سے عرب خطبوں کی کافی قدر کرتے تھے۔کوئی بھی قبیلہ یا خاندان ایسا نہیں تھا جہاں کوئی خطیب نہ پایا جاتا ہو۔جاحظ نے اپنی کتاب البیان والتبیین میں اس موضوع پر تفصیل سے بحث کی ہے۔اور جا بجا

ایسے جملے،فقرے اورادبی شہ پارے نقل کئے ہیں جواس زمانہ میں خطیبوں کے یہاں استعمال میں آتے تھے۔خطباء کے ناموں کا جائزہ لینے کے لئے جب ہم تاریخ کی کتابوں کی طرف توجہ کرتے ہیں تو البیان والتبیین سب سے ممتاز نظر آتی ہے۔اس میں خطباء کے ناموں کی کثرت ملتی ہے۔مثلاً یثرب کے علاقہ میں قیس بن شمّاس اوراس کے بیٹے ثابت کے نام ملتے ہیں۔آگے چل کر ثابت کا اللہ کے رسول ﷺ کے خطیبوں میں شمار ہونے لگا۔

4.7 مکہ کے خطباء

مکہ میں بھی خطباء موجود تھے۔مکہ کے پرانے دور کے خطباء کے نام ملتے ہیں مثلاً ہاشم،امیۃ،نُفیل بن عبدالعزیٰ جو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دادا تھے۔ان ہی کے پاس عبدالمطلب بن ہاشم اور حرب بن امیۃ اپنے اختلافات کا مقدمہ لے کر گئے تھے۔اس وقت وہاں خطباء کی اچھی خاصی تعداد موجود تھی۔ان کی کثرت کی وجہ بھی سمجھ میں آتی ہے۔مکہ میں دارالندوۃ پایا جاتا تھا۔یہ گویا سربراہان قوم کا ایک مرکز تھا۔جسے آج کی زبان میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کی پارلیمنٹ تھی۔قوم کے سربراہان اور قبائل کے ذمہ داران وہاں جمع ہوتے تھے۔باہم تبادلۂ خیال کرتے تھے۔ بات چیت ہوتی تھی۔ضرورت کے وقت تقریریں بھی ہوا کرتی تھیں۔مکہ چونکہ عرب کا ثقافتی اور تجارتی مرکز تھا۔اس لیے وفود آیا کرتے تھے۔اس موقعہ پر نامور خطباء اپنا زور خطابت دکھاتے تھے۔ان خطباء میں کچھ معروف ومشہور نام ملتے ہیں۔مثلاً عتبہ بن ربیعہ،سہیل بن عمرو۔اسی سہیل بن عمرو کے متعلق حضرت عمرؓ نے اللہ کے رسول ﷺ سے کہا تھا کہ اے اللہ کے رسول! اس کے سامنے کے دو دانت نکال دیجئے تاکہ بات کرتے وقت اس کی زبان منہ سے باہر نکل جائے اور وہ صاف بات نہ کر پائے۔پھر اس کے بعد آپ کے خلاف کوئی بھی خطیب کبھی کھڑا نہیں ہوگا۔اللہ کے رسول ﷺ نے جواب دیا: ''**لاأمَثّلُ فیُمثّل اللّٰہ بی ، وإن کنتُ نبیاً، دعْہ' یا عمر، فعسی أن یقوم مقاما تحمدہ**''(ترجمہ: میں کسی کا مثلی نہیں کرتا ہوں،ورنہ اللہ میرے جسم کا مثلی کردے گا،خواہ میں نبی ہی کیوں نہ ہوں۔عمر اسے اپنی حالت پر چھوڑ دو۔ہوسکتا ہے وہ کوئی ایسا مقام حاصل کرلے کہ تم اس کی تعریف کروگے)۔مثلی کہتے ہیں کہ جسم کے اعضاء میں کسی قسم کی تبدیلی کی جائے۔خواہ کسی عضو کو کاٹ کر ہو یا اس کی ہئیت تبدیل کرکے۔

4.8 قبائل عرب کا خطباء

عرب کے دیگر قبائل میں جو لوگ خطابت کے فن میں شہرت یافتہ تھے ان میں عامر بن الظَرب کا نام آتا ہے۔یہ

قبیلۂ عَدوان سے تعلق رکھتا تھا۔ ربیعہ بن حُذار کا نام ملتا ہے جو قبیلہ اسد سے تھا۔ حنظلہ بن ضرار جس کا تعلق قبیلہ ضبّہ سے تھا۔ عمرو بن کلثوم کا تعلق قبیلہ تغلب سے تھا۔ ہانئ بن قبیصہ جن کا تعلق قبیلۂ شیبان سے تھا۔ یہ معرکہ ذی قار کے موقعہ پر خطیب تھے۔ ابن عمار جن کا تعلق قبیلۂ طیٔ سے تھا۔ یہ پورے قبیلۂ مذحج کے خطیب تھے۔ اس قبیلہ کے خطباء میں لبید بن ربیعہ العامری کا نام بھی آتا ہے۔ ہیذان بن شیخ جس کے متعلق اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: بسا اوقات قبیلۂ عبْس میں خطیب ہوتے ہیں۔ قبیلۂ غطفان سے خُویلد بن عمرو اور عُشراء بن جابر کے نام ملتے ہیں۔ اسی طرح قیس بن خارجہ بن سنان کا بھی نام آتا ہے جس نے جنگ داحس اور غبراء کے موقعہ پر صبح سے شام تک تقریر کی۔

قبیلہ تمیم کے شعلہ بیان مقررین میں سے اُکثم بن صیفی کا نام آتا ہے۔ اسی طرح ضمرہ بن ضمرہ کا نام بھی ملتا ہے۔ عُطارد بن حاجب بن زُرارۃ اس قبیلہ کے وفد کا خطیب ہوا کرتا تھا۔ عمرو بن الاہتم المنقریّ بھی اسی قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کے متعلق مشہور تھا کہ صحراء عرب میں اس سے بہتر خطیب اس کے معاصرین میں کوئی اور نہیں۔

4.9 خطابت میں جادوئی اثر

عربوں کے بیان وخطابت میں جادوئی اثر تھا۔ خود آپؐ کے ذریعہ بھی اس کی تائید حاصل ہوئی ہے کہ آپؐ نے فرمایا ''اِنّ من البیان لسِحراً '' دراصل اس کے پیچھے جو واقعہ ہے وہ یہ کہ روایتوں میں مذکور ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے عمرو بن الأهتم المنقریّ سے الزِبرقان بن بدر کے متعلق پوچھا۔ تو عمرو نے جواب میں ''مانع لحوزته، مطاع فی أدنیه'' (ترجمہ: اپنی چیز کسی کو دیتا نہیں ہے۔ کم حیثیت لوگوں کا پیشوا ہے)۔ یعنی بخیل طبیعت کا ہے۔ اور کم حیثیت لوگوں کا سردار ہے۔ زبرقان کو یہ بات پہونچ گئی تو اس نے جواب میں کہا: جو کچھ اس نے کہا ہے اس سے زیادہ کی اسے معلومات بھی نہیں۔ بہرحال وہ میرے وقار سے بغض رکھتا ہے۔ عمرو نے اس کے جواب میں کہا کہ اگر اس نے ایسا کہا ہے تو اللہ کی قسم حقیقت یہ ہے کہ میں نے اسے تنگ دل ہی پایا ہے۔ بے مرّوت ہے۔ یعنی انسانیت نام کی کوئی چیز اس کے پاس نہیں ہے۔ کم حیثیت ہے۔ فقیر خاندان کا ہے۔ دولت تو اسے بس حال میں ہی نصیب ہوئی ہے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ان کی بعد کی رائے پہلی رائے سے ٹکرا رہی ہے۔ اور محسوس کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ کی آنکھوں میں عدم موافقت کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں تو کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! جب میں اس سے خوش تھا تو میری معلومات میں اس کے متعلق جو سب سے اچھی چیز تھی وہ میں نے آپ کو بتائی۔ میں نے اپنے پہلے بیان میں کوئی جھوٹ بات نہیں کہی۔ اور بعد کے بیان میں بھی میں نے سچائی ہی بتائی ہے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: ''إن من البیان

لسحرا ''یعنی یقیناً کچھ بیان جادوئی اثر رکھتے ہیں۔

4.10 قُسّ بن ساعدہ

قس بن ساعدہ جاہلی دور کے مشہور ومعروف خطیب تھے۔آپ کا تعلق قبیلہ ایاد سے تھا۔اسی لئے ان کے نام کے ساتھ الإیـــادی کا اضافہ کیا جاتا ہے جو قبیلہ کی طرف نسبت کا پتہ دیتا ہے۔تاریخی حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کا بیان سنا تھا۔یہ بازار عکاظ میں سرخ اونٹنی پر سوار ہوکر بیان کررہے تھے۔جاحظ کا کہنا ہے کہ قبیلہ ایاد کی کچھ ایسی خصوصیات تھیں کہ عرب میں کسی اور کے پاس نہیں تھیں۔خود نبی اکرم ﷺ نے قس بن ساعدہ کی تعریف کی ہے۔نبیؐ کے ذریعہ ہی ان کا کلام قریش تک اور قوم عرب تک پہونچا ہے۔اللہ کے نبیؐ کے ذریعہ ہی لوگ قس بن ساعدہ کی خوبیوں سے متاثر ہوئے۔ان کے صحیح موقف سے لوگوں کو واقفیت ہوئی۔یہ ایسی سند ہے کہ لوگوں نے اس پر اعتماد کیا ہے۔گرچہ ابن حجر نے اس روایت کی سند پر کلام کیا ہے۔تاہم ڈاکٹر شوقی ضیف کا موقف یہ ہے کہ اس روایت کی سند صحیح ہے۔اور راویوں کی تعداد بھی بکثرت موجود ہے۔

خطبہ میں لفظ ''أمابعد'' کا استعمال سب سے پہلے قس بن ساعدہ نے ہی کیا تھا۔ان سے قبل کسی اور خطیب کے خطبہ میں یہ لفظ نہیں ملتا ہے۔عرب کے دانشوروں اور صاحب حکمت لوگوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ان کی وفات حضور اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے ۶۰۰ء میں ہوئی۔الملل والنحل کے مؤلف محمد بن عبدالکریم الشہرستانی نے انہیں اسلام سے قبل عقیدۂ توحید رکھنے والوں میں شمار کیا ہے۔نیز یہ کہ روزِ جزاء وسزا پر ان کا ایمان تھا۔یہ زہد وتقوی کی زندگی بسر کرتے تھے۔عرب کے مشہور بازار عکاظ میں تشریف آوری ہوتی تھی۔یہ لوگوں کے ساتھ شانہ بہ شانہ چلتے تھے۔اور انہیں نصیحت آمیز باتیں بتاتے تھے۔

فن خطابت میں مہارت رکھنے کی وجہ سے قس بن ساعدہ کی شخصیت مثالی تھی حکمت وموعظت میں آپ کا بلند مقام تھا۔خطابت میں عبور حاصل ہونے کی وجہ سے انہیں پورے عرب کا خطیب مانا جاتا تھا۔قوت بیان اور تعبیر کی بلاغت میں آپ ممتاز تھے۔یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ سب سے پہلے خطیب تھے جنھوں نے چھڑی کا سہارا لے کر خطبہ دیا۔اسی طرح یہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے کہا: '' البیّنة علی من ادّعی والیمین علی من أنکر ''(ترجمہ: جس نے دعوی کیا اس پر دلیل پیش کرنے کی ذمہ داری ہے۔اور جس نے انکار کیا اس پر قسم کھانا لازم ہے)ان کے متعلق یہ بھی آتا ہے کہ یہ ناشائستہ اعمال واطوار کو پسند نہیں کرتے تھے۔غفلت کی زندگی کو بھی جو موت،موت کے بعد کے مرحلہ اور جزاء

وسزا سے بےتوجہ کردے ناپسند کرتے تھے۔آپؐ کے متعلق منقول ہے کہ فرمایا: یرحم اللہ قُسّا، إنی لأرجو یوم القیٰمة أن یُبعث أمة وحدہ‘ ۔(ترجمہ: اللہ قس پر رحم فرمائے۔میں سمجھتا ہوں کہ قیامت کے دن وہ ایک امت کی حیثیت سے اٹھائے جائیں گے)۔بازار عکاظ میں اللہ کے رسول ﷺ نے ان کا ایک خطبہ سنا تھا اور وہ ذیل میں ذکر کیا جارہا ہے۔

4.11 خطبۂ قس بن ساعدہ

”أیُّها الناسُ! اسْمَعُوا وَ عُوا، مَن عاش مات، ومَن مات فات، وکلُّ ماھو آتٍ آتٍ ، ... مطرٌ ونباتٌ وأرزاقٌ وأقواتٌ وآباء وأمَّهات وأحیاءٌ وأمواتٌ جمعٌ وأشتاتٌ،لیلٌ داجٍ و نهارٌ ساجٍ، وسماءٌ ذاتُ أبراج، وأرضٌ ذاتُ فِجاج، وبحارٌ ذاتُ أمواج، ومِهاد موضوع، وسَقْفٌ مَرفوعٌ، ونُجومٌ تَمُورُ، وبِحارٌ لاتَغور، ونجومٌ تَزهَرُ، وبحار تَزخَرُ،...إنّ فی السماء لخبَرا، وإنّ فی الأرض لعِبَرا، مابالُ الناس یذهبون ولایَرجِعون؟! أرضُوا فأقاموا، أم تُرِکوا فناموا ؟! تبّا لأرباب الغفلة من الأمَم الخالیة والقرون الماضیة ، یامعشرإیاد...یامعشر إیاد: أین الآباءُ والأجدادُ ؟ وأین الفَراعِنة الشِداد؟ ألم یکونوا أکثرَ منکم مالا وأطولَ آجالا ؟ طحَنهم الدَهْرُ بِکلْکَله ، ومزّقَهم بتطاوُلِه...یُقْسِم(قُسّ) باللّٰه قَسْما لا إثم فیه ، إنّ لِلّٰه دِیناً هوأرضَی لکم وأفضلُ من دینکم الذی أنتم علیه ، إنکم لتأتون من الأمر مُنکرا“.

ترجمہ: اے لوگو! سنو اور یاد رکھو۔جو زندہ ہے اسے موت آئے گی۔اور جسے موت آئے گی وہ اس دنیا سے رخصت ہوجائے گا۔جو چیز ہونی ہے وہ ہوکر ہی رہے گی۔(یعنی جو مقدر ہے وہ ہوکر ہی رہے گا)۔بارش، پیڑ، پودے، رزق ، غذا ، آباء واجداد ، مائیں ، زندہ مردہ سبھی آئے اور رخصت ہوگئے۔سیاہ رات ، پرسکون دن ، سیاروں والا آسمان،شاہراہوں والی زمین،ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر،ہموار زمین، بلند آسمان،امنڈتے ستارے،سمندر جن کا پانی کم نہیں ہوتا،روشن ستارے اور پرجوش سمندر..... بےشک آسمان میں سبھی خبریں موجود ہیں۔اور زمین میں یہ سبھی عبرت کا سامان ہیں۔کیا بات ہے لوگ اس دنیا سے جاتے ہیں اور واپس نہیں آتے ؟! کیا وہاں کی جگہ انہیں راس آگئی کہ وہی رہ گئے،یا یہ کہ انہیں نظر انداز کردیا گیا تو ویسے ہی پڑے سو رہے ہیں؟! پچھلی قوموں کے اور گزشتہ صدیوں کے غفلت میں پڑے لوگوں کے لئے ہلاکت ہو۔اے قبیلہ ایاد کے لوگو! اے ایاد کے لوگو! آباء واجداد کہاں گئے؟ وہ

تندخو فرعونی خاندان کہا گیا؟ کیا وہ تم سے مال و دولت میں اور عمروں میں زیادہ نہیں تھے؟ زمانہ نے انہیں اپنی طاقت سے تباہ کر دیا۔ اور اپنی درازئی مدت کے ذریعہ ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ قسم ہے اللہ کی، اور اس میں کوئی غلطی نہیں، کہ اللہ کے نزدیک ایک طرز زندگی ہے۔ وہ تمہارے لیے زیادہ لائق وسودمند ہے۔ وہ تمہارے اس دین سے بہتر ہے جس پر تم ابھی ہو۔ بے شک تم لوگ ناپسندیدہ کام کرتے ہو۔

4.12 خطبۂ عبدالمطلب بن ہاشم

جاہلی دور کے خطبات میں عبدالمطلب بن ہاشم کا بھی خطبہ مشہور ہے۔ تاریخ کی کتابوں میں ان سے متعلق ایک خطبہ ملتا ہے یہاں اس کا ذکر کیا جاتا ہے۔ دراصل بادشاہ سیف بن یزن نے حبشہ کی حکومت بازیاب کرنے میں جب کامیابی حاصل کر لی تو عرب کے وفود ان سے ملاقات کے لیے گئے۔ ان میں سرداران اور شعراء بھی تھے۔ ان وفود نے بادشاہ کو مبارکباد دی۔ اس کی تعریف کی۔ ان ہی وفود میں ایک قریش کا وفد بھی تھا۔ جس میں عبدالمطلب بن ہاشم موجود تھے۔ عبدالمطلب نے بادشاہ سے اظہار خیال کی اجازت چاہی۔ پس انہیں اجازت مل گئی۔ اس موقعہ پر خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا:

فقال: إنَّ اللّٰه تعالى أيُّها الملكُ أحلَّک محَلاّ رفيعا، صَعْبا مَنيعا، باذِخا شامِخا، وأنْبَتک مَنبَتا طابتْ أرُومتُه، وعزّتْ جُرثومتُه، وثبَت أصلُه، وبسَق فرعُه، فی أكرَم مَعدِن، وأطيَبِ مَوطِن، فأنت أبَيتَ اللعنَ رأسُ العرَب، وربيعُها الذی به تَخصَبُ، ومَلِكُها الذی به تنقادُ، وعَمودُ ها الذی عليه العِماد، ومَعقِلُها الذی إليه يلجأ العِبادُ، سلَفُک خيرُ سلَفٍ، وأنت لنا بعدَ هم خيرُ خلَفٍ، ولنْ يهلِک مَن أنتَ خلَفُه، ولنْ يخمُل مَن أنت سلَفُه.

نحنُ أيُّها المَلِكُ أهلُ حرَمِ اللّٰه وذمَّتِه، وسَدَنةُ بيتِه، أشْخصَنا إليک الذی أبْهَجک بكَشفِ الكَرْب الذی فدَحَنا، فنحن وفْدُ التَهنِئة لا وفدُ المَرزِئة.

ترجمہ: اے بادشاہ! اللہ نے آپ کو بہت اونچے مقام پر فائز کیا ہے۔ جو ہر ایک کو حاصل نہیں ہوتا۔ یہ اتنا اونچا مرتبہ ہے کہ ہر طرح سے محفوظ ہے۔ اسے کوئی نقصان نہیں پہونچا سکتا۔ بہت ہی عالی شان اور بلند و بالا رتبہ ہے۔ اس ذات پاک نے آپ کو ایسے خاندان میں پیدا کیا ہے اور پروان چڑھایا ہے جس کی نسل باوقار ہے۔ وہ خاندان عزت وعظمت سے سرفراز ہے۔ اس خاندان کی جڑیں ثابت و پائیدار ہیں۔ اس کی شاخیں اعلی وارفع ہیں۔ ان کا تعلق فضل و

کمل والے سرچشمہ سے ہے۔اور خوشگوار سرزمین سے ہے۔آپ سلامت رہیں! آپ تو عرب کے سردار ہیں۔اس کی ایسی بہار ہیں جس کے سبب عرب سرسبز وشادات ہیں۔آپ ان کے بادشاہ ہیں جن کی وہ اطاعت کرتے ہیں۔ان کے سردار ہیں جن پر ان کا اعتماد اور بھروسہ ہے۔ان کا ٹھکانہ ہیں جس کی طرف وہ لوگ پناہ لیتے ہیں۔آپ کے آباء واجداد بہترین پیش رو ہیں۔اور آپ ان کے بعد کی بہترین نسل ہیں۔آپ کی پشت پناہی جس کو حاصل ہے وہ کبھی تباہ نہیں ہوگا۔اور آپ جس کے پیش رو ہیں وہ کبھی گمنام نہیں ہوگا۔

ہم لوگ اے بادشاہ! اللہ کی مقدس زمین کے لوگ ہیں۔اس کی نگرانی وحفاظت میں رہنے والے ہیں۔اس کے گھر کے پاسبان ہیں۔ہمیں آپ کے پاس اسی ذات نے بھیجا ہے جس نے اس مصیبت کو دور کر کے جو ہم پر گراں گزر رہی تھی آپ کو خوشی عطا کی ہے۔ہم وفد برائے مبارکباد ہیں نہ کہ وفد برائے مصیبت۔

4.13 خطابت دور جاہلی کی ضرورت

جاہلی دور میں خطیبوں کی کثرت تھی۔ جسے نظر انداز کرنا مشکل ہے۔ یہ تقریریں مہارت اور تجربات پر مبنی ہوتی تھیں۔زبان میں فصاحت اور روانی ہوتی تھی،فکر میں گہرائی،اسلوب وانداز میں کشش وجاذبیت ہوتی تھی۔ان خطباء کو اس معیار پر لانے کا سبب اور ان کے اندر خصائص پیدا کرنے کے پیچھے ان کی سماجی زندگی کے احوال ہیں۔انہیں مختلف موقعوں پر لوگوں کو خطاب کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی تھی۔اس طرح کے تقاضے انہیں اکثر وبیشتر پیش آتے تھے۔جو بھی کوئی سردار کی حیثیت سے ابھرتا یا اس کی شہرت لوگوں میں پھیلتی تو اس کے پس پردہ خطابت کا بہت اہم کردار ہوتا تھا۔ قوت بیان اور لوگوں کے دلوں میں اثر پیدا کر دینے والے اسلوب کی وجہ سے اس سردار کا ستارہ عروج حاصل کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس زمانہ میں یہ خیال غالب رہتا تھا کہ قوم کی قیادت کے لیے یا قبیلہ کی سرداری کے لیے قائد کا فن خطابت پر قدرت رکھنا ضروری ہے۔تاکہ لوگوں کے دل اس قائد سے وابستہ رہیں۔لوگ اس کی سحر بیانی اور پر اثر انداز سے سرشار رہتے تھے۔اس کی عظمت کا اعتراف کرتے تھے۔اس پر فخر کرتے تھے۔ جاہلی دور کے فن خطابت پر تبصرہ کرتے ہوئے ادباء نے یہاں تک کہا ہے کہ اس زمانہ میں عرب کے نزدیک خطباء کا مقام شعراء کے مقابلہ میں زیادہ بلند اور قابل تعظیم تھا۔گرچہ اس رائے میں اختلاف ہے۔لیکن اتنا یقینی ہے کہ قوم کی قیادت اور سرداری کے لیے فن خطابت میں عبور لازم تھا۔

4.14 شعراء پر خطباء کی فوقیت کا سبب

یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ شاعر کی فن شاعری پر قدرت اور بلاغت کی وجہ سے دوسری قوموں اور قبیلوں پر اس کا رعب واثر رہتا تھا۔لوگ شعراء کی بہت قدر کرتے تھے۔لیکن جب شعروشاعری کا ماحول عام ہوگیا۔شعراء کی کثرت ہوگئی۔ شعر کو بادشاہوں اور سرداروں کی خوشنودی کے لیے تیار کیا جانے لگا۔ان بادشاہوں کی طرف سے دادودہش کی امیدیں بیدار ہونے لگیں۔اور یہی شاعری کی مقصد بن کر رہ گئیں۔نیز حصول منفعت کے لئے شعر کو زیادہ سے زیادہ پرکشش بنانے کی کوشش شروع ہوگئی۔اشعار کے ذریعہ دوسروں کی بے آبروئی اور ہتک عزت کا ماحول قائم کیا جانے لگا تو شعراء اپنا مقام کھو چکے۔اور خطیبوں کو فوقیت حاصل ہوگئی۔اس پس منظر میں جاحظ نے اپنے موقف کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ شاعر کو خطیب کے مقابلہ میں بلند درجہ حاصل تھا۔عرب کو شاعر کی ضرورت زیادہ محسوس ہوتی تھی تاکہ قبائل کی خوبیوں اور محاسن کے تذکرہ کا ذریعہ بن سکے۔ماضی کے واقعات، جنگ کے حالات اور بہادری ودلیری کی داستانیں اشعار کے ذریعہ بار بار سنائی جاسکیں۔لیکن جب شعراور شعراء کی کثرت ہوگئی تو شاعر کے مقابلہ میں خطیب کا درجہ بلند ہوگیا۔ڈاکٹر شوقی ضیف نے خطیب کی فوقیت کے پیچھے جو سبب بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ زہیر کے علاوہ عرب کے دیگر شعراء میں ہم دیکھتے ہیں کہ وہ جنگ کے لیے جذبات کو برانگیختہ کرتے تھے۔جس کی وجہ سے انتقام کی آگ بھڑک اٹھتی تھی۔جب کہ خطیب اکثر امن اور سلامتی کا پیغام دیتے تھے۔متحارب قبائل کو باہم قریب کرکے جنگ بندی پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتے تھے۔اکثر وبیشتر ان کی پہچان قوم کے ناصح، خیرخواہ اور امین کی حیثیت سے ہوتی تھی۔کیونکہ وہ صحیح راستہ بتاتے تھے۔حفاظت وعافیت کی راہ دکھاتے تھے۔اس کے برعکس شعراء کے یہاں عیب جوئی، ہجواور تذلیل کا پہلو غالب رہتا تھا۔لوگوں پر طرح طرح کے القاب باندھتے تھے۔حسب ونسب کا مذاق اڑاتے تھے۔ان کے تاریخی واقعات پر طعن وتشنیع کرتے تھے۔نیز کمزوریوں اور برائیوں کا اشتہار کرتے تھے۔

4.15 خطباء کا انداز واسلوب

جاہلی دور میں خطباء مخصوص انداز واسلوب کے حامل ہوا کرتے تھے۔جب وہ تقریر کرنے کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو بڑے بڑے بازاروں میں یا مجمع میں اپنی سواری کے اوپر نمودار ہوتے تھے۔اپنے سر پر عمامہ لپیٹ کر رکھتے تھے۔خطابت کے دوران ہاتھ میں سہارے کے لیے کوئی چھڑی رکھتے تھے یا کوئی اور ایسی چیز جو سہارا دینے کے قابل ہوسکے۔مثلاً بانس، یا نیزہ یا کوئی کمان وغیرہ۔خطبہ کے لیے اگر خطیب کسی سواری پر کھڑا نہ ہوا تو کسی دوسری اونچی جگہ کا

انتخاب کرتا جس پر کھڑا ہو کر قوم کو خطاب کرتا تھا۔ ہاتھ میں چھڑی کا لینا یا کسی اور چیز کا سہارا لے کر خطابت کے لیے منظر عام پر آنا اس بات کی دلیل ہوا کرتا تھا کہ خطیب کسی لمبی تقریر کے ارادہ سے آیا ہے۔ خطیب کی ظاہری ہئیت اس کے ارادہ کا پتہ دیتی تھی۔ یہ صفت صرف عرب کے خطباء کے ساتھ ہی مخصوص تھی۔ عرب کے علاوہ دوسری قوموں میں خطیب کی یہ صفات نظر نہیں آتی ہیں۔ عرب اپنے اس اسلوب اور انداز سے مشہور و معروف بھی تھے۔ یہ ہئیت رفتہ رفتہ ان کی شناخت بن چکی تھی۔ چنانچہ جب کبھی وہ اپنی ضرورت سے بھی کہیں جاتے تو ان کے ہاتھ میں کوئی چھڑی یا سہارے کی کوئی چیز ساتھ ہوا کرتی تھی۔

4.16 خطیب کے اوصاف

خطیب کی شخصیت کے لیے عرب کچھ صفات کو ترجیح دیتے تھے۔ منجملہ یہ کہ جب خطابت کے لیے کھڑا ہو تو مضبوطی کے ساتھ کھڑا رہے۔ ڈھیلے یا ٹیڑھے انداز میں کھڑا نہ ہو۔ برجستہ خطاب کرنے والا ہو۔ دوران خطابت توجہ ادھر ادھر نہ بھٹکے۔ آواز بلند اور پروقار ہو۔ اگر خطیب اپنی تقریر کے دوران گلا صاف کرنے کے لیے کھنکھارتا ہے تو یہ معیوب عمل شمار کیا جاتا ہے۔ خطیب اس بات کا خیال رکھے کہ دوران خطابت بدن میں لرزش یا کپکپی طاری نہ ہو۔ بات کرنے میں انقباض یا رکاوٹ کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اپنے خیال کے اظہار میں سوچ سوچ کر الفاظ ادا کرنے کی صورت پیدا نہ ہو۔ زبان میں لکنت یا الفاظ کا واضح شکل میں ادا نہ ہونا ناپسندیدہ قرار دیا جاتا تھا۔ خطابت کے دوران خطیب کے لیے عیب مانا جاتا تھا کہ وہ ٹھڈی پر ہاتھ لگائے۔ مونچھوں پر ہاتھ پھیرے یا داڑھی سنوارے۔ ان حرکتوں کو ناشائستہ عمل تصور کیا جاتا تھا۔ عرب تقریروں میں رعب دار اور پراثر آواز پسند کرتے تھے۔ اسی وجہ سے خطباء اپنی تقریروں میں منھ پھیلا کر زوردار آواز کے ساتھ بیان کرتے تھے۔ اپنی تقریروں میں یا بات چیت کرتے وقت نچلے ہونٹ کو ڈھیلا کر کے نیچے لٹکانا اور اپنا بیان جاری رکھنا قابل تعریف خیال کیا جاتا تھا۔ یہ اس بات کی دلیل ہوتی تھی کہ اس کو فن خطابت کا ملکہ حاصل ہے۔ بہر حال یہ سبھی ترجیحات دور جاہلیت کی خطابت سے وابستہ تھیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے منھ پھیلا کر بات کرنا پسند نہیں فرمایا ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے: ''میرے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ شخص وہ ہے جو چرب زبان ہو اور منھ پھیلا کر بات کرتا ہو''۔ یعنی خوب زبان چلاتا ہو۔ کسی بھی بات کو پھیلا کر پیش کرتا ہو اور بات کرتے وقت منھ پھیلانا کمال کی صفت خیال کرتا ہو۔

4.17 خطابت کی زبان نثر مرسل تھی یا مسجع

یہ سوال ابھرتا ہے کہ ایا جاہلی دور کے خطبات کی زبان نثر مرسل ہوتی تھی یا مسجع ؟ اس سلسلہ میں اگر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ کچھ مواقع ایسے ہوتے تھے کہ نثر مرسل کی زبان ہوتی تھی جب کہ دیگر مواقع میں مسجع اسلوب کو ترجیح دی جاتی تھی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ عبدالمطلب بن ہاشم اور حرب بن امیہ کے اختلاف کے موقعہ پر نفیل بن عبدالعزیٰ کے سامنے معاملہ پیش کیا گیا تو اس موقعہ کی خطابت مسجع اسلوب میں تھی۔ جیسا کہ تاریخ طبری میں اس کا تذکرہ ملتا ہے۔ جریر بن عبداللہ البجلی اور خالد بن ارطاۃ الکلبی کے مابین اختلافات کے موقعہ پر اقرع بن حابس کی تقریر کے متعلق جو ثبوت ملتا ہے اس کی عبارت مسجع ہے۔ ابوعبیدہ نے جریر وفرزدق کے بیچ نقائض کی شرح میں اقرع بن حابس کی خطابت کا ذکر کیا ہے۔ ان کے علاوہ علقمہ بن عُلاثہ اور عامر بن طفیل کے اختلافات کا تذکرہ الاغانی میں آیا ہے۔ اس مناسبت سے بھی خطابت کا جو نمونہ ملتا ہے و مسجع زبان میں ہے۔ خطابت کے ان نمونوں کے پیش نظر جاحظ نے یہ طے کرلیا کہ ان مواقع پر خطابت کا اسلوب عمومی طور پر مسجع ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ جاحظ نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ ضمرۃ بن ضمرۃ، ہرم بن قطبہ، اقرع بن حابس اور نُفیل بن عبدالعزیٰ حکم کے فرائض انجام دیتے تھے۔ ان کا خطاب اس موقعہ پر مسجع زبان میں ہوا کرتا تھا۔ ربیعہ بن حُذار کا بھی یہی طرز تھا۔ جاحظ ایک اور موقع پر خطابت کے اسلوب پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتا ہے کہ باہمی اختلافات یا تفاخر کے موقعہ پر یہ لوگ خطابت کے لیے مسجع زبان استعمال کرتے تھے۔ جب کہ حکم کے فریضہ کے علاوہ دوسرے ترغیبی مواقع پر یا صلح کی غرض سے دیئے جانے والے خطبوں میں مرسل اسلوب اختیار کرتے تھے۔ اسی طرح آپسی معاہدہ کے موقعہ پر یا کوئی معاملت طے کی جاتی تو مرسل اسلوب کو ترجیح دیتے تھے۔ مرسل اسلوب اختیار کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ خطابت بالکل سادہ یا بیزار کن ہوتی تھی۔ یا خشک وغیر دلچسپ ہوا کرتی تھی۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس مرسل خطابت میں بھی ایسے جملے ہوا کرتے تھے جو سامعین کے جذبات کو برانگیختہ کرتے تھے۔ بلاغت کی تعبیریں مخاطب پر اپنا اثر ڈالتی تھیں کہ خطاب کرنے والے لوگوں کے دلوں کو اپنے مقصود کی طرف مائل کرنے میں کامیاب ہوجاتے تھے۔ عربی ادب کی تاریخ میں خطبات کے جو شہہ پارے ملتے ہیں، یا چھوٹے چھوٹے جملے اور مختصر گفتگو کے ادبی جواہر نظر آتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب اس زمانہ میں اپنی تعبیرات اور بیانات کو زیادہ سے زیادہ عمدہ اور پرکشش بنانے کی خواہش رکھتے تھے۔ چنانچہ عبارت کبھی مسجع ہوتی تھی۔ کبھی استعارہ کا سہارا لیتے تھے۔ اور کبھی تخیل کی بلندیوں میں پرواز کرتے تھے۔

یوں تو خطابت میں عام طور پر مؤثر اور پرشکوہ الفاظ کا استعمال ہوتا تھا۔ جن میں وزن اور قوت محسوس کی جاتی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ معانی کے اعتبار سے الفاظ مضبوط اور پرزور ہوا کرتے تھے۔ خطباء اپنی بات کا وزن ثابت کرنے کے لیے دلائل پیش کرتے تھے۔ اپنے جذبات اور احساسات کی نمائندگی کے لیے بہترین اور جاذب الفاظ کا انتخاب کرتے تھے۔ جیسا کہ لبید نے ہرم بن قُطبہ کی تعریف میں کیا۔ جب کہ اس نے عامر بن طفیل اور علقمہ بن علاثہ کے مسئلہ میں حکم کے فریضہ کی ادائیگی کے وقت تقریر کی تھی۔ اس موقعہ پر ہرم بن قطبہ نے جو انداز گفتگو اختیار کیا اس کے متعلق لبید کہتا ہے کہ بے شک آپ کو فریضہ حکم کی خصوصیات سے اس طرح نوازا گیا ہے کہ آپ بالکل واضح اور فیصلہ کن بات کرتے ہیں۔ آپ کو صحیح اور غلط کے درمیان فرق کرنے پر زبردست قدرت حاصل ہے۔ صحیح اور غلط کے درمیان تمیز کرنے کا انداز آپ کا ایسا صاف اور شفاف ہوتا ہے جس طرح ایک ماہر قصاب ہڈیوں کو ان کے جوڑ سے جدا کر دیتا ہے۔ عرب دوٹوک بیان کو یا خطابت کو اس تیر سے بھی تشبیہ دیتے تھے جو ٹھیک نشانہ پر لگے۔ اس کو ''السهام المُصمَية '' کہتے تھے۔ اس زمانہ میں خطباء کو ''مَصاقِع'' اور ''لُسْنٌ'' کے القاب سے بھی یاد کیا جاتا تھا۔ ''خطيبٌ مِصْقَع ''اس مقرر کو کہتے تھے جو صاحب بلاغت ہو۔ پر اثر بات کرتا ہوں۔ اسی طرح انہیں ''لُسْـــنٌ'' بھی کہا جاتا تھا۔ یعنی وہ قوم کی زبان تھے۔

عرب میں مشہور تھا کہ زبان کی تکلیف نیزہ کی تکلیف سے کم نہیں ہوتی ہے۔ چنانچہ زبان کے وار سے بچنے کی وہ ہدایت بھی کرتے تھے۔ کیونکہ زبان کو تلوار سے مشابہ قرار دے کر اس کے حملہ کو المناک خیال کرتے تھے۔ خطباء کے اچھے بیانات کو خوبصورت پوشاک سے تشبیہ دی جاتی تھی۔ جس میں جواہرات جڑے ہوں۔ ریشم اور دیباج سے انہیں آراستہ کیا گیا ہو۔

4.18 معلومات کی جانچ

1. خطابت سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟
2. عربوں کو کن وجوہات سے خطابت میں مہارت حاصل تھی؟
3. جاہلی دور میں خطبۂ نکاح کی کیا شکل تھی؟
4. مکہ میں دارالندوۃ کی کیا اہمیت تھی؟
5. خطباء کو شعراء پر فوقیت کیوں دی جانے لگی؟

6. السهام المصمية کا کیا مطلب ہے؟

4.19 خلاصہ

خطابت کے موضوع پر تاریخ عرب کا جائزہ لینے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ جاہلی دور میں خطابت کا معیار کافی بلند تھا۔عرب زبان وادب کے شہسوار ہونے کی وجہ سے اس کو کافی اہمیت دیتے تھے۔جاہلی دور میں عرب کے قبائل آپس میں متحد نہیں تھے۔ان کے یہاں بکثرت اختلافات رہا کرتے تھے۔لڑائیاں ہوا کرتی تھیں۔جنگ وقتال کی صورتحال اکثر پیش آجاتی تھی۔جاہلی عرب کی شاعری میں اس کے تذکرے بے شمار ملتے ہیں۔چنانچہ ان جنگوں کے بعد مفاہمت کی کوشش بھی ہوا کرتی تھی۔مسائل کو حل کرنے کے لیے نشستیں قائم کی جاتی تھیں۔ان مواقع پر خطباء کا کردار نمایاں ہوا کرتا تھا۔ان ہی اسباب سے خطابت کا فن اس دور میں خوب پروان چڑھا۔کبھی تو جنگ پر ابھارنے کے لیے زور خطابت کا استعمال ہوتا تھا۔اور کبھی حالات کو پرامن بنانے کے لیے ماہرینِ خطابت اپنا جلوہ دکھاتے تھے۔عرب چونکہ سفر کثرت سے کیا کرتے تھے۔لہٰذا ان کے پاس زندگی کے پیچ وخم کا خوب اندازہ تھا۔حالات کے نشیب وفراز سے واقفیت بھی کافی تھی۔تلخ وشیریں احوال کے حقائق کو گہرائی سے سمجھتے تھے۔اس لیے ان کے پاس پند ونصائح کا وافر ذخیرہ موجود تھا۔اپنے وسیع تجربات اور نصائح کی بنیاد پر خطابت میں روح پھونک دیتے تھے۔سامعین ان کی خطابت کی جامعیت اور قوت بیان سے مسحور ہو جاتے تھے۔ان کی تقریروں میں فصاحت وبلاغت کی چاشنی ہوتی تھی۔مخاطب کے قلب وذہن پر بے پناہ اثر مرتب ہوتا تھا۔یہاں تک کہ قوم ان خطیبوں کے موقف کی تائید پر آمادہ ہو جاتی تھی۔خطابت کے ذریعہ صلح وصفائی اور دلوں میں جوڑ پیدا کرنے کا عمل بھی کیا جاتا تھا۔شادی بیاہ کے موقع پر بھی خطبہ دیا جاتا تھا۔غرض یہ کہ خطابت اور خطباء کی عرب معاشرہ میں کافی قدر تھی۔خطباء اپنی ہیئت اور مخصوص انداز سے معاشرہ میں ایک شناخت رکھتے تھے۔

4.20 نمونہ کے امتحانی سوالات

1. عربوں کی خطابت گویا الہامی کیفیت ہوا کرتی تھی، تبصرہ کیجئے۔
2. جاہلی دور کی خطابت کے مقاصد پر روشنی ڈالئے۔
3. شادیوں کے موقعہ پر خطابت کے طرز پر اظہار خیال کیجئے۔

4. کس وجہ سے کہا گیا کہ خطابت میں جادوئی اثر ہوتا ہے؟
5. قُس بن ساعدہ کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کیجئے۔
6. قُس بن ساعدہ کی تقریر پر ایک مضمون لکھئے۔
7. خطبۂ عبدالمطلب کی خصوصیت پر اپنے خیالات پیش کیجئے۔

4.21 فرہنگ

وعَى	يعِي	وعْيا	یادرکھنا،محفوظ رکھنا
فات	يفوت	فَواتا	وفات پانا
أتى	يأتي	اتينا	آنا
آتٍ			آنے والا
رِزْق	ج	أرْزاق	رزق
قُوْت	ج	أقْوات	کھانا، غذا
شتّ	يشِتُّ	شَتاتا	بکھرنا
الشَتُّ	ج	أشْتاتٌ	بکھرے ہوئے
دجا	يدجو	دَجْوا الليلُ	بہت اندھیرا ہونا
سجا	يسجو	سَجْوا الليلُ	پرسکون ہونا
بُرج	ج	أبراج	سیارہ
فَجٌّ	ج	فِجاج	راستہ
مَهْد	ج	مِهاد	زمین،گود
سَقْف	ج	سُقوف	چھت،آسمان
مار	يمور	مَورا	امنڈنا
غار	يغور	غَورا	پانی کا زمین کے اندر اتر جانا
زهَر	يزهَر	زَهْرا وزُهُورا	خوبصورت ہونا،خوشنما ہونا

زخَر	يزخَر	زَخْرا وزُخورا	موج کااٹھنا
عِبْرة	ج	عِبَر	عبرت کاسامان،نصیحت
رضِی	يرضَی	رِضیً ورضوانا	خوش ہونا
ربٌّ	ج	أرباب	والا
أرباب الغفلة			غفلت والے
شديد	ج	شِداد	سخت،تندخو،سخت مزاج
طحَن	يطحَن	طَحْنا	پیس دینا
كَلْكَل			سینہ،زور،طاقت
مزّق	يمَزّق	تمزيقا	پھاڑ دینا
تطاول			درازی،لمباہونا
مُنكَر			ناپسندیدہ عمل
ظفَر	يظفُر	ظَفْرا	کامیابی حاصل کرنا،فتح حاصل کرنا
هنّأ	يهنّأ	تهنِئة	مبارکباد
استأذن	يستأذِن	استئذانا	اجازت چاہنا
أحلّ	يُحِلُّ	إحلالا	فائز کرنا
محل			جگہ
صَعْبا			غیرآسان،ہرایک کے بس میں نہیں
مَنيعا			محفوظ
باذِخ			بلند
شامخ			اونچا
مَنبَت			پیداہونے کی جگہ
طاب	يطيب	طيبا	اچھاہونا

طابت أرومته			شریف خاندان کا ہونا
عزّ	یعِزّ	إعزازا	باعزت ہونا
ثبت	یثبُت	ثَباتا و ثُبوتا	پائیدار ہونا
بسَق	یبسُق	بُسوقا	نامور ہونا
مَعدِن	ج	مَعادِن	سونے چاندی کی کان
أبَتَ اللَّعْن			آپ سلامت رہیں
خصِب	یخصَب	خِصبا	سرسبز وشاداب ہونا
انقاد	ینقاد	انقیادا	اطاعت کرنا
عَمُود			سردار
خمَل	یخمُل	خُمولا	گمنام ہونا
التَهنِئة			مبارکباد
المَرزِئة			مصیبت

4.22 مطالعہ کے لیے معاون کتابیں

1. عربی ادب کی تاریخ — از ڈاکٹر عبدالحلیم ندوی
2. عربی ادب کی تاریخ — از محمد کاظم
3. تاریخ ادب عربی (احمد حسن زیات) — از طفیل احمد مدنی
4. ادب عربی کی مختصر تاریخ — از ڈاکٹر ابوحاتم خاں
5. تاریخ الادب العربی (العصر الجاہلی) — از ڈاکٹر شوقی ضیف

اکائی 5 ضرب لامثال، حکیمانہ اقوال اور وصیتیں

اکائی کے اجزاء

5.1 مقصد

5.2 تمہید

5.3 ضرب الامثال کی تدوین

5.4 جاہلی دور کی امثال

5.5 جاہلی دور کی امثال کے نمونے

5.6 حکم

5.7 صاحب حکمت خواتین

5.8 حکم کے چند نمونے

5.9 ضرب الامثال اور حکم کے درمیان فرق

5.10 ضرب الامثال کی بنیاد کہاں ہے

5.11 مقولہ میں تبدیلی نہیں کی جاتی ہے

5.12 امثال فصاحت و بلاغت کا نمونہ

5.13 امثال وحکم کی عبارتوں میں موسیقیت

5.14 وصایا

5.15 وصیت کا نمونہ

5.16 معلومات کی جانچ

5.17 خلاصہ

5.18 نمونہ کے امتحانی سوالات

5.19 فرہنگ

5.20 مطالعہ کے لیے معاون کتابیں

ضرب الامثال، حکیمانہ اقوال اور وصیتیں

5.1 مقصد

☆ اس اکائی کے ذریعہ عربی نثر کے نمونوں کا انکشاف ہوگا۔

☆ عربی زبان میں ضرب الامثال اور اقوال زریں کی حقیقت سامنے آئے گی۔

☆ جاہلی دور کی نثر میں جو خوبی اور خوش اسلوبی تھی وہ معلوم ہوگی۔

☆ عرب کے معاشرہ میں حکمت و دانائی کا معیار سمجھ میں آئے گا۔

☆ عربوں کے یہاں امثال وحکم کی اہمیت سے واقفیت ہوگی۔

☆ وصیت کی ضرورت اور فوائد سے آگاہی ہوگی۔

5.2 تمہید

جاہلی دور سے لے کر عصر عباسی تک جب کہ نثری نمونوں کی باقاعدہ تدوین شروع ہوئی عربی زبان میں کچھ تبدیلیاں آچکی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ عربی زبان وادب میں نمایاں فرق اس وقت آیا جب جزیرہ نمائے عرب کے لوگوں نے بیرونی تہذیبوں سے روابط شروع کئے۔ اس سلسلہ میں ایرانی تہذیب کا زیادہ اثر بتایا جاتا ہے کیونکہ خلافت عباسیہ کے قیام میں ایرانیوں نے گہری دلچسپی لی تھی۔ اور بھرپور تعاون پیش کیا تھا۔ ان کی وجہ سے جب خلافت وجود میں آگئی تو ایرانی تہذیب کا اثر غالب ہوگیا اور زبان وادب میں بھی اس کے اثرات منتقل ہوئے۔ اس حقیقت کا اعتراف کرنے کے باوجود ادباء یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ضرب الامثال جو زمانۂ جاہلیت سے منسوب ہیں وہ اپنی اصلی حالت میں موجود رہیں۔ ان پر کوئی اثر نہیں آیا۔ وہ امثال اپنے حقیقی الفاظ ومعانی کے ساتھ رائج ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عربوں نے اپنی زبان میں اور روزمرہ کے استعمال میں ان امثال کو مستقل باقی رکھا تھا۔ واضح رہے کہ ضرب الامثال بوقت استعمال بعینہ ان ہی الفاظ کے ساتھ نقل کی جاتی ہیں۔ ان میں تبدیلی نہیں کی جاتی ہے۔ ضرب الامثال کو اپنی طرف سے الفاظ کا اضافہ کرکے یا کوئی دوسرا لفظ داخل کرکے بھی نہیں بولا جاتا ہے، کیونکہ یہ تبدیلی معاشرہ میں مقبول نہیں ہوتی ہے۔ اور خطرہ ہے کہ اس مثل کی جامعیت ومعنویت متاثر ہوجائے۔ عرب زبان وبیان کا ذوق رکھتے تھے لہٰذا اس سلسلہ میں کافی احتیاط برتتے تھے۔ ان کے لیے ضرب الامثال کا یاد رکھنا بھی آسان تھا۔ کیونکہ اکثر امور زبان وبیان سے ہی طے پاتے تھے۔

لکھنے کا ماحول بہت کم تھا۔ چنانچہ زبان کے استعمال کی وجہ سے یہ امثال ان کی گفتگو میں اور مذاکرات میں رواں تھیں۔ مختصر الفاظ پر مبنی ہونے کی وجہ سے ان کا ذہنوں میں محفوظ رکھنا کوئی مشکل عمل نہیں تھا۔ نیز یہ کہ ضرب الامثال آسان فہم ہوتی ہیں۔ان کے استعمال سے بیان میں جان پڑ جاتی ہے اور مخاطب بھی محظوظ ہوتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ عرب معاشرہ میں دوران کلام ضرب الامثال کا اہتمام کیا جاتا تھا۔

5.3 ضرب الامثال کی تدوین

ضرب الامثال کی تدوین میں عربوں نے پیش قدمی کی ہے۔پہلی صدی ہجری کے درمیانی مرحلہ میں انھوں نے اس کی تدوین شروع کر دی تھی۔صُحار العبدی نام کا ایک ماہر انساب معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں موجود تھا۔یہ زمانہ ۴۱ھ سے ۶۰ھ کی مدت پر مشتمل ہے۔اس دوسران صُحار العبدی نے ایک کتاب کی تدوین کی۔اس کے بعد ایک دوسرے معاصر نے جس کا نام عُبید بن شرِیّہ تھا ایک دوسری کتاب کی تدوین کی۔ڈاکٹر شوقی ضیف نے کتاب الفہرست کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ الفہرست کے مؤلف کا کہنا ہے کہ انھوں نے دیکھا کہ عبید بن شریّہ کی کتاب تقریباً پچاس اوراق پر مشتمل تھی۔زمانہ گزرتا ہوا جب دوسری صدی ہجری میں داخل ہوتا ہے تو ضرب الامثال کی تدوین میں کثرت نظر آتی ہے۔ان کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مؤلفین نے ان ہی الفاظ وتعبیرات کو جمع کیا ہے جو ضرب المثل کے طور پر رائج تھے۔مزید یہ خوبی پیدا کر دی کہ ان ضرب الامثال کے پیچھے جو واقعات رونما ہوئے، یعنی جس واقعہ کی بنیاد پر جو مثل وجود میں آئی، اس واقعہ کا بھی ساتھ ساتھ ذکر کر دیا۔کتابوں کے مطالعہ سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کہانیوں اور داستانوں کا سلسلہ بندھ گیا ہے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ان امثال کی حقیقت ومعنویت اجاگر کرنے کے لیے پس منظر کا تذکرہ ازراہ ضرورت کیا گیا ہے۔اس سے امثال کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے اور ان کے استعمال کا صحیح موقعہ سمجھ میں آتا ہے۔یہ کتابیں گرچہ دوسری صدی ہجری میں لکھی گئیں تاہم عربی زبان وادب کے ماہرین اس پر اتفاق رکھتے ہیں کہ ان امثال کا تعلق جاہلی دور سے ہے۔اوران کے الفاظ بھی بعینہ وہی ہیں جو عصر جاہلی میں رائج تھے۔بالخصوص عُبید بن شریّہ کی کتاب مستند ہے جو اس موضوع پر نہایت اہمیت کی حامل ہے۔اس کے بعد جو تالیفات وجود میں آئیں ان میں مؤلفین نے جاہلی دور کی امثال اور اسلامی دور کی امثال کے بیچ کوئی تفریق نہیں کی۔بلکہ سب کو یکجا کر دیا اور حروف تہجی کی ترتیب پر تدوین کر دی۔چنانچہ بعد کی کتابوں میں جاہلی دور کی امثال کی شناخت مشکل ہوگئی۔ کیونکہ جاہلی دور کی امثال اور اسلامی دور کی امثال کے درمیان تمیز کی کوئی واضح مقیاس نہیں ملتی ہے۔ہاں اس بنیاد پر کچھ

سراغ مل جاتا ہے کہ جب اس دور کا واقعہ پس منظر کے طور پر بیان کیا جارہا ہو۔ مثلاً کبھی ایسی صورت پیش آجاتی ہے کہ صاحب کتاب جاہلی دور کی مثل کا تذکرہ کررہا ہو۔ ساتھ میں اس زمانہ کی داستان یا پس منظر بھی بیان کررہا ہو تو سمجھ میں آجاتا ہے کہ یہ جاہلی دور کی مثل ہے۔ اس طرح کی امثال ہمیں ملکۂ زباء سے وابستہ کہانیوں میں ملتی ہیں۔

5.4 جاہلی دور کی امثال

دور جاہلیت سے وابستہ مختلف واقعات وداستانوں کے پس منظر میں ضرب الامثال ملتی ہیں۔ مثلاً ''جـــــزاءُ سِنِمارّ''۔ یہ ایک ضرب المثل ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ جاہلی دور میں النعمان بن امرئ القیس اللخمی نے اپنے لیے ایک محل بنوایا جس کا نام ''الـخَورْنق'' رکھا۔ اس محل کا بنانے والا ایک رومی معمار تھا۔ اس کا نام سِنِمارّ تھا۔ جب محل تیار ہوگیا تو سِنِمارّ نے نعمان سے کہا: میں اس محل میں اس ایک مخصوص اینٹ کو جانتا ہوں کہ وہ اگر اپنی جگہ سے گرگئی یا نکال دی گئی تو سارا محل ڈھہ جائے گا۔ نعمان نے اس سے پوچھا: تمہارے علاوہ کوئی اور بھی اس راز سے واقف ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ نعمان نے کہا: اب مجھ پر لازم ہوگیا کہ اس اینٹ کو اس حال میں رہنے دوں کہ اس کا جاننے والا کوئی موجود نہ ہو۔ پھر اس نے اس معمار کے خلاف حکم صادر کردیا تو اسے محل کے اوپر سے نیچے پھینک دیا گیا۔ چنانچہ وہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ جاہلی دور میں اس کی مثال دی جاتی تھی یہ کہتے ہوئے کہ ''جزاءُ سِنِمارّ'' یعنی سزائے سنمار۔

جاہلی دور میں رائج امثال وحکم کی بڑی تعداد آج موجود ہے۔

5.5 جاہلی دور کی امثال کے نمونے

1. إن كنتَ ريحافقدلا قَيتَ اعصارا

اگر تم ہوا ہو تو تمہارا سابقہ آندھی سے پڑ گیا

یہ اس موقعہ پر کہا جاتا ہے جب کوئی شخص خود پسندی کا مزاج رکھتا ہو۔ اپنی شان خود اپنی زبان سے بیان کرتا ہو تو جب اس کا سابقہ کسی ایسے شخص سے پڑتا ہے جو اس کی قدر نہیں کرتا ہے بلکہ اس کی کمزوریوں کو اجاگر کرکے اس کی توہین کرتا ہے۔

2. قبل الرمی يُراشُ السَهْمُ

تیر چلانے سے پہلے اس میں پر لگالئے جاتے ہیں

یعنی کسی مہم سے پہلے اس کے لیے مطلوبہ تیاری کر لی جاتی ہے۔ یہ مثل نصیحت کے موقعہ پر کام آتی ہے کہ کسی کو متنبہ کیا جائے کہ اپنے کام کو صحیح طریقہ پر انجام دینے کے لیے ضروری تیاری پہلے سے کر لی جائے۔

3. **تسمع عن المعیدی خیر من أن تراہ'**

معیدی کے متعلق سننا اس کو دیکھنے سے بہتر ہے

دراصل المعیدی نام کا ایک شخص تاریخ عرب میں اپنی جود وسخا، حکمت اور فراخدلی میں کافی مشہور تھا۔ لوگ اس سے محبت کرتے تھے۔ اسکی شہرت کافی پھیل گئی۔ بادشاہ وقت تک اس کی خبر پہونچی۔ بادشاہ کی خواہش ہوئی کہ اس سے ملاقات کرے تاکہ اس کی حکمت اور سخاوت کا صحیح اندازہ لگا سکے۔ اس نے المعیدی کو اپنے حاشیہ نشیں کے ذریعہ بلوایا۔ اپنے دیوان میں آنے کی دعوت دی۔ جوں ہی المعیدی دربار میں داخل ہوا بادشاہ حیرت میں پڑ گیا۔ کیونکہ شکل کے اعتبار سے المعیدی بالکل بدصورت تھا اور لباس بھی اس کا ایک عام آدمی جیسا تھا۔ حالانکہ وہ مال دار اور دولت مند تھا۔ بادشاہ اسکو دیکھ کر ہنس پڑا اور اس وقت اس نے کہا ''**تسمع عن المعیدی خیر من أن تراہ**'' یعنی لوگوں کے بیچ اس کو سیرت اور صفات کے اعتبار سے جاننا بہتر ہے بہ نسبت دیکھنے کے۔

4. **إنک لاتَجنی من الشوکِ العنبَ**

کانٹے دار درخت سے تم انگور حاصل نہیں کر سکتے ہو

کہا جاتا ہے کہ اس مثل کے پس منظر میں یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک بچہ نے اپنے والد کو باغ میں ایک درخت لگاتے ہوئے دیکھا۔ چند مہینوں میں اس میں میٹھے انگور پیدا ہونے لگے۔ بچہ نے خیال کیا کہ کوئی بھی درخت لگایا جائے تو اس پر انگور پھلنے لگیں گے۔ اسے بھی شوق ہوا۔ ایک دن اسے ایک پودا ملا جو کانٹے دار تھا۔ اس نے اس پودے کو زمین میں لگایا اور پھل کا انتظار کرنے لگا۔ ایک مدت تک انتظار کے باوجود اس میں کوئی انگور پیدا نہیں ہوا۔ بلکہ کانٹے ہی کانٹے نکلتے آئے۔ اس وقت بچہ کے والد نے اس سے کہا **إنک لا تجنی من الشوک العِنَبَ.**

5. **أنتَ تَئِقٌ و أنامَئِقٌ فکیف نتفق**

تم فوراً غصہ ہو جاتے ہو اور میں فوراً رو پڑتا ہوں تو ہم دونوں میں کیسے نباہ ہو سکتا ہے

یہ مثل اس موقعہ پر دی جاتی ہے جب دو افراد کے بیچ جوڑ ممکن نہ ہو کیونکہ دونوں کے مزاج میں اختلاف ہے۔ دونوں کی طبیعت جدا جدا ہے۔

6. مواعید عُرقُوب

عرقوب کے وعدے

اس مثل کا استعمال ٹال مٹول، وعدہ خلافی، جھوٹ بول کر کسی کو امید دلانے کے پس منظر میں ہوتا ہے۔

اس کے پیچھے واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ عرب میں قوم عمالقہ میں ایک شخص تھا۔اس کا نام عرقوب تھا۔اس کا بھائی ایک مرتبہ اس کے پاس کچھ ضرورت سے گیا۔عرقوب نے اس سے کہا کہ اس کھجور کے درخت میں جب پھل آنے لگیں تو وہ پھل تمہیں دوں گا۔ جب پھل نمودار ہوئے تو بھائی حسب وعدہ پھل لینے کے لیے آیا۔عرقوب نے کہا کہ ابھی ٹھہرو۔ انہیں ذرا ادھ گدرے ہو جانے دو۔یعنی انہیں آدھا پک جانے دو۔ بھائی چلا گیا۔ جب پھل ادھ گدرے ہو گئے تو مانگنے کے لیے آیا۔عرقوب نے کہا ابھی کچھ اور ٹھہرو۔ ذرا ان میں نکھار آجانے دو۔ بھائی چلا گیا۔ جب کھجوروں میں نکھار آ گیا تو مانگنے کے لیے آیا۔عرقوب نے کہا ذرا ان میں رس آجانے دو تب لینا۔ جب رس آنے لگا تب بھائی نے مطالبہ کیا۔عرقوب نے کہا ابھی ٹھہر جاؤ انہیں مکمل کھجور کی حالت میں آجانے دو۔ جب کھجور پوری طرح پک کر تیار ہو گئی تو عرقوب نے ایک رات ساری کی ساری کھجوریں خود لے لیں۔اپنے بھائی کو کچھ بھی نہیں دیا۔اسی وجہ سے وعدہ خلافی میں کہا جاتا ہے ''مَواعیدُ عُرقوب''۔

7. سکتَ ألفاً و نطق خَلْفاً

ہزار دن چپ رہا اور جب بولا بھی تو غلط

اس مثل کا استعمال اس موقعہ پر ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص طویل مدت تک چپ چاپ رہا ہو اور جب اس نے زبان کھولی تو وہ بھی بے کار بات کے ساتھ۔خلْفاً کا معنی بے کار، بے سود بات۔

کہا جاتا ہے کہ احنف بن قیس کا ایک ہم نشیں تھا۔ ہمیشہ خاموش رہتا تھا۔احنف نے اس سے ایک دن کہا کہ تم بھی تو کچھ بولو۔تو اس نے اس کے جواب میں کہا: اے ابو بدر! کیا آپ مسجد کی اس بالکونی پر چل سکتے ہیں؟ اس پر احنف نے کہا ''سکت ألفا و نطق خلفا''۔کیونکہ اس نے ایسی بات کہی جس کا کوئی حاصل نہیں تھا۔

8. ضرب أخماسا لأسداس

کہتا پانچ ہے جب کہ نیت چھ کی ہے

یہ مثل اس وقت استعمال کرتے ہیں جب کوئی زبان سے کہتا کچھ ہو اور دل میں کچھ اور غرض پوشیدہ رکھتا ہو۔

اس مثل کے پس منظر میں واقعہ یہ ہے کہ ایک بدو شخص تھا جو صحراء میں رہتا تھا۔ اس کے بچے تھے جو اپنے اہل خانہ سے دور کہیں اونٹ چَراتے تھے۔ کافی زمانہ ہو گیا اپنے بچوں سے دور رہتے ہوئے تو انہیں ان سے ملاقات کا اشتیاق پیدا ہوا۔ تاکہ وہاں کچھ دن ساتھ رہیں۔ عربوں کے یہاں معمول تھا کہ سفر سے قبل اپنے اونٹوں کو مشقت برداشت کرنے کی عادت ڈالنے کے لیے پیاسے رکھتے تھے۔ ان میں کوئی چار دن تک پیاسا رکھتا تھا تو اسے وہ ربع کہتے تھے۔ اگر پانچ دن پیاسا رکھے تو اس خمس کہا جاتا تھا۔ اسی طرح اگر کوئی چھ دن پیاسا رکھے تو اسے سدس کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ ایک دن والد نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ جاؤ اونٹوں کو چار دن اس طرح چراؤ کہ وہ پانی نہ پئیں۔ بچوں نے وہ اونٹ چار دن والد کے بتائے ہوئے طریقہ پر چرائے لیکن وہ اونٹ کو اس سمت لے کر گئے تھے جو ان کے اہل خانہ کے راستہ کی طرف تھی۔ جب اونٹ چرا کر وہ واپس آ گئے تو والد سے انھوں نے پانچ دن اسی طریقہ پر اونٹ چرانے کی اجازت چاہی۔ والد نے اجازت دے دی۔ ان کی غرض یہ تھی کہ پھر اونٹوں کو اسی راستہ کی طرف لے کر جائیں گے جو ان کے اہل خانہ کی سمت ہے۔ تاکہ وہاں سے اپنے بیوی بچوں کے ساتھ کچھ مزید مدت رہنے کا موقعہ مل جائے۔ پانچ دن مکمل ہونے پر وہ اونٹ لے کر واپس ہوئے۔ پھر لڑکوں نے والد سے اجازت چاہی کہ کیا چھ دن کے لیے اونٹوں کو چرانے لے جائیں؟ والد نے لڑکوں کی غرض بھانپ لی اور سمجھ گیا کہ یہ دراصل چاہتے کیا ہیں۔ چنانچہ اس نے کہا ''**ماأنتم إلاضرْبَ أخماسٍ لأسداس، ماهمتكم رعيهُاإنما همتُكم أهُلكم**''۔ تمہارا پانچ دنوں کا اونٹ چرانا چھ دنوں تک مزید چرانے کی غرض سے تھا۔ حالانکہ تمہارا مقصد اونٹ چرانا نہیں ہے بلکہ بیوی بچوں سے ملنا اصل مقصود ہے۔

5.6 حِکَم

اس کا مطلب ہے حکمت کی باتیں۔ ان باتوں میں نصیحت پنہاں ہوتی ہے۔ موقعہ کے اعتبار سے بہترین تدبیر کی رہنمائی کی جاتی ہے۔ چونکہ یہ باتیں تجربہ اور دانائی پر مبنی ہوتی ہیں اس لیے انہیں حِکَم کہتے ہیں۔

جاہلی دور کی نثر میں جس طرح امثال کی کثرت پائی جاتی ہے اسی طرح حکم بھی بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ ان میں سے بعض تو جاہلی زمانہ سے وابستہ ہیں اور بعض تاریخی روایات سے وابستہ ہیں۔ مثلاً لقمان عاد۔ ان کا تعلق یمنی قبیلہ سے ہے جو احقاف میں آباد تھا۔ یہ قبیلہ تباہ ہو گیا۔ اسلام سے قبل اس کے آثار بھی مٹ چکے تھے۔ لیکن لقمان کا نام جاہلی دور میں معلومات رکھنے والوں کے بیچ گرداں تھا۔ شعراء بھی اپنے قصائد میں ان کو یاد رکھتے تھے۔ اس سلسلہ میں جاحظ کا بیان ہے کہ پرانے لوگوں میں جن کو جاہ و مرتبہ سرداری، حسن بیان، زور خطابت، حکمت و فطانت اور سیاسی سوجھ

بوجھ کے موضوع پر یاد کیا جاتا تھا ان میں سے ایک نام لقمان عاد کا بھی ہے۔ روایتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ لقمان قرآن کریم میں بیان کیے گئے لقمان حکیم کے علاوہ ہیں۔ جیسا کہ الثعلبی کی کتاب قصص الانبیاء میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔ لقمان عاد کا زمانہ تاریخی طور پر نہایت قدیم ہونے کی وجہ سے ان کی شخصیت سے وابستہ اور ان کی زندگی سے متعلق داستانیں کافی مشہور و معروف تھیں۔ ان داستانوں میں ایسے واقعات ملتے ہیں جن میں لوگوں کے ساتھ ان کے روابط کا پتہ چلتا ہے۔ علماء تاریخ کا کہنا ہے کہ لقمان عاد کی ایک بلند قامت شخصیت تھی۔ سر بھی بڑا تھا۔ وہ طاقتور بھی تھے۔ عجیب وغریب صلاحیتوں سے آراستہ تھے۔ بڑی حکمت والے تھے۔ واقعہ نگاروں کا کہنا ہے کہ انھوں نے سات گدھ کی عمر پائی تھی۔ جب کہ ایک گدھ کی عمر عربوں کے عقیدہ کے مطابق اسّی (۸۰) برس کی ہوتی ہے۔ ان سات گدھ میں سب سے آخری گدھ کو لُبَد کہتے ہیں۔ اس پر ضرب المثل بھی قائم ہوگئی۔ جس چیز کی مدت دراز ہوتی تھی اس کے بارہ میں کہا جاتا تھا ''طال الأبدعلی لُبَد ''یعنی اس پر ایک لمبا زمانہ گزر چکا ہے۔ عصر جاہلی کے آخری زمانہ میں لقمان عاد سے متعلق کئی قصے مشہور ہوئے۔ ان تمام قصوں اور داستانوں کے بیان کی غرض یہی تھی کہ ان سے نصیحت حاصل کی جائے۔ کیونکہ ان قصوں میں عبرت آموز پہلو موجود تھے۔ ان میں سے جو امثال اہل عرب کے بیچ معروف ہوئیں انہیں امثال لقمان کہا جاتا ہے۔

تاریخی حوالوں کا تجزیہ کرتے ہوئے محققین نے یہ موقف واضح کیا ہے کہ لقمان عاد اور لقمان حکیم دو مختلف شخصیتیں ہیں۔ لقمان حکیم کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے۔ لقمان حکیم سے متعلق نصیحتیں اور وصیتیں مشہور ہیں۔ فقہ اور تفسیر کی کتابوں میں ان کا تذکرہ آتا ہے۔ مثال کے طور پر مؤطا امام مالک اور تفسیر ابی حیان میں لقمان حکیم سے متعلق بیان ملتا ہے۔ جاحظ نے بھی ان کی تعلیمات کا جائزہ لیا ہے۔ یہ تعلیمات دینی بنیادوں پر قائم ہیں۔ ان کی نصیحتیں مذہبی نوعیت کی ہیں۔ جب کہ لقمان عاد کے متعلق جو باتیں وارد ہوئی ہیں وہ مذہبی نوعیت کی نہیں ہیں۔ جاحظ نے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ امثال وحکم سے متعلق جو شخصیات مشہور تھیں ان میں مقررین کی خاصی تعداد نظر آتی ہے۔ فصاحت وبلاغت پر قدرت رکھنے والے صاحب زبان بھی ملتے ہیں۔ صاحب اقتدار حضرات بھی تھے اور قوم کے سردار پیشوا بھی۔ ان میں چند مشہور نام جو کتابوں میں ملتے ہیں وہ یہ ہیں **أکثم بن صیفی ، ربیعه بن حُذار ، هرِم بن قُطبه، عامر بن الظَرِب** اور **لبید بن ربیعه** ۔ان میں سب سے نمایاں اور ممتاز حیثیت **أکثم بن صیفی الَتمیمی** اور **عامر بن الظرِب العَدوانی** کی تھی۔ **أکثم بن صیفی** کا شمار طویل العمر لوگوں میں ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے اسلام کا زمانہ بھی

پایا۔اپنے اسلام کے اعلان کا ارادہ بھی کیا۔اس مقصد سے اللہ کے رسول صلعم سے ملاقات کے لیے سفر بھی شروع کر دیا تھا۔لیکن راستہ میں ہی ان کی موت واقع ہوگئی۔ان کی باتوں میں اکثر ضرب الامثال اور حکمت کے شہہ پارے ملتے تھے۔

5.7 صاحب حکمت خواتین

بتایا جاتا ہے کہ جاہلی معاشرہ میں عربوں کے بیچ مرد حضرات کے علاوہ خواتین بھی پائی جاتی تھیں جو حکمت و دانائی کے میدان میں امتیازی مقام رکھتی تھیں۔ان میں کئی نام ملتے ہیں۔مثال کے طور پر صُحر بنت لقمان، ہند بنت الخسّ، جمعہ بنت حابس اور بنت عامر بن الظرِ ب العدَ وانی۔عامر بن الظرِ ب کی بیٹی ان تمام خواتین میں زیادہ ہوش مند اور دانش مند تھی۔تاریخ کی کتابوں میں درج ہے کہ جب عامر بن الظر ب کی عمر زیادہ ہوگئی اور اس پر نسیان کا غلبہ ہونے لگا تو اس نے اپنی بیٹی کو ہدایت کی کہ جب ایسا معلوم ہو کہ اس سے کسی معاملہ میں چوک ہو رہی ہے، یا کوئی غیر مقصود عمل کے سرزد ہونے کا امکان نظر آئے تو لاٹھی یا چھڑی کے ذریعہ آواز پیدا کر کے اسے متنبہ کیا جائے۔چنانچہ اس پر مثل قائم ہوگئی۔

''**إن العصا قَرِعت لذی الحِلم** ''یعنی عقل مند کے لیے چھڑی سے آواز کی جاتی ہے۔ابوالفضل المیدانی نے اپنی کتاب مجمع الامثال میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

5.8 حکم کے چند نمونے

1. **من سلک الجَدد أمِنَ العِثارَ**

جو ہموار زمین پر چلتا ہے لغزش سے محفوظ رہتا ہے

یعنی معاملات میں عافیت کا راستہ اختیار کرنے والا نقصان اٹھانے سے محفوظ رہتا ہے۔کہا جاتا ہے کہ یہ اُکثم بن صیفی کا قول ہے۔جیسا کہ ابو ہلال العسکر ی نے جمہر ۃ الامثال میں بیان کیا ہے۔

2. **عَیٌّ صامتٌ خیر من عَیٍّ ناطق**

خاموش رہ کر اپنی عدم استطاعت کا اظہار کرنا بہتر ہے بہ نسبت زبان کھول اپنی جہالت ظاہر کرنے سے۔

3. **یدک منک و إن کانت شلاّء**

ہاتھ تو اپنا ہی ہے خواہ وہ بے حرکت ہو

یعنی ہاتھ چاہے مفلوج ہو لیکن انسان اس کو خود سے الگ نہیں ہونے دیتا ہے۔ کوئی انسان یہ نہیں چاہے گا کہ فالج زدہ ہاتھ کو کٹوا کر الگ کر دے۔ اسے بہر حال اپنے جسم کا حصہ بنائے رکھتا ہے۔

4. **من ضاق صدرہ' اتسع لسانہ**

جس کا دل غم واندوہ سے بھر جاتا ہے اس کی زبان چلنے لگتی ہے

یعنی جو حالتِ پریشانی میں اس قدر ڈوب جاتا ہے کہ دل بوجھل ہو جاتا ہے تو اس کی زبان حرکت میں آجاتی ہے۔

5. **کَلْم اللسان أنکی من کَلْم السنان**

زبان کا زخم نیزہ کے زخم سے زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے

6. **رُبَّ عَجَلة تَهَبُ رَیثا**

بسا اوقات جلدی کرنے کے نتیجہ میں اور بھی دیر ہو جاتی ہے۔

7. **رُبَّ قول أنفذُ من صَوْل**

بسا اوقات جسمانی طاقت کے بجائے زبان کا صرف ایک بول زیادہ اثر دکھاتا ہے۔

8. **من مأمنہ یؤتی الحذر**

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ محفوظ جگہ پر ہی خطرہ کا اندیشہ ہوتا ہے۔

یعنی انسان جہاں امن وعافیت محسوس کرتا ہے بسا اوقات وہیں اس پر خطرہ منڈلا رہا ہوتا ہے۔

9. **مَصارعِ الرجال تحت بُروق الطمع**

لوگوں کی تباہی امیدوں کے آشیانہ میں ہوتی ہے۔

یعنی بسا اوقات انسان لالچ کے زیر اثر اپنی تباہی کو گلے لگا لیتا ہے۔

10. **أنجزَ حُرٌّ ماوعَدَ**

شریف آدمی جو وعدہ کرتا ہے اسے پورا کرتا ہے۔

5.9 ضرب الامثال اور حکم کے درمیان فرق

عام طور پر ضرب الامثال اور حکم کے درمیان فرق کم ہی نظر آتا ہے۔ ضرب الامثال پر مشتمل عربوں کی جو کتابیں

ہمارے سامنے آتی ہیں ان میں حکم اور امثال دونوں ایک ہی فہرست میں شمار ہیں۔ڈاکٹر شوقی ضیف نے بھی نثر عربی کے ضمن میں جہاں امثال کا ذکر کیا ہے وہیں امثال کے عنوان کے تحت حکم کا بھی تذکرہ کر دیا ہے۔حکم کے لیے انھوں نے کوئی مستقل عنوان قائم نہیں کیا ہے۔لیکن امثال وحکم کی نوعیت پر اگر غور کیا جائے تو فرق سمجھ میں آتا ہے۔ہندوستان کے ادباء میں استاذ محمد واضح رشید ندوی کی کتاب تاریخ الادب العربی (العصر الجاہلی) میں امثال وحکم کے فرق پر روشنی ڈالی گئی ہے۔انھوں نے دونوں کے لیے علیحدہ فہرست بھی قائم کی ہے۔امثال کے متعلق واضح رشید ندوی کا کہنا ہے کہ شکل کے اعتبار سے تو امثال حکم کی طرح چھوٹے چھوٹے فقروں پر مشتمل ہوتی ہیں جو اختصار کے ساتھ اپنا مفہوم بیان کرتی ہیں۔ لیکن وہ اتنی مختصر ہوتی ہیں کہ اگر پس منظر کا واقعہ ذہن میں موجود نہ ہو تو ان کے مطلب اور معنویت کا اندازہ نہیں ہوتا ہے۔مثال کے طور پر جزاء سنمّار۔اگر اس مثل کو بیان کیا جائے اور مخاطب اس کے واقعہ سے یا پس منظر سے ناواقف ہو تو اس کو اس مثل کی معنویت اور اہمیت کا اندازہ نہیں ہوگا۔اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ امثال کا تعلق کسی واقعہ سے یا کسی حادثہ سے ہوتا ہے۔ان کا استعمال دوران گفتگو ایسی جگہوں پر کیا جاتا ہے جہاں واقعہ کی نوعیت میں مماثلت پائی جاتی ہو۔مزید یہ کہ امثال کا تعلق عوامی زندگی سے بھی ہوتا ہے۔یعنی کوئی واقعہ کسی عام آدمی کے تجربہ میں آیا ہو اور وہاں سے یہ مثل چل پڑی ہو یا یہ کہ عام لوگ اپنے معاشرہ میں بول چال کے دوران اس مثل کا یا ان امثال کا استعمال کرتے ہوں۔عرب میں عوامی بول چال میں امثال کا استعمال بخوبی ہوتا تھا۔جب کہ حکم کا تعلق حکمت سے ہے۔یہ انسان کی عقل مندی اور دانائی کی بنیاد پر وجود میں آتے ہیں۔عرب زندگی کے تجربات سے بہت کچھ سیکھتے تھے اور عقل وفراست کی بنیاد پر ان سے سبق حاصل کرتے تھے۔اس سبق کو دوسروں تک نصیحت وخیر خواہی کے تقاضہ سے پہونچاتے تھے۔اس سبق کو مختصر فقرہ میں بہت ہی پر مغز انداز میں پیش کرتے تھے کہ مخاطب اس کو سن لے، سمجھ لے اور یاد بھی کر لے۔حکم کا تعلق خاص طور پر اس طبقہ سے ہوتا ہے جو عقل منداور باہوش ہو۔جسے ہم معاشرہ کے خصوصی طبقہ سے تعبیر کرتے ہیں۔امثال کا تعلق عوام سے یا عوامی زندگی سے ہوتا ہے جب کہ حکم کا تعلق خواص سے یا دانشمند طبقہ سے ہوتا ہے۔

5.10 ضرب الامثال کی بنیاد کہاں ہے؟

عربی زبان میں امثال وحکم بہت کثرت سے پائے جاتے ہیں۔تاہم بیشتر ضرب الامثال اور حکیمانہ اقوال کے سلسلہ میں اصل قائل کا پتہ نہیں چل سکا ہے۔کیونکہ عام طور پر قبیلہ کے عام طبقہ کے لوگ ان اقوال کے وجود میں آنے کا سبب بنتے تھے۔چونکہ معاشرہ میں وہ زیادہ معروف یا شہرت کے درجہ میں نہیں ہوتے تھے اس لیے ان کی طرف توجہ بھی کم

دی جاتی تھی۔یعنی قول تو رائج ہوجاتا تھا لیکن قائل کی طرف نسبت کا اہتمام نہیں کیا جاتا تھا۔عربوں کی زبان سے محبت اور قدر بھی یہاں سمجھ میں آتی ہے کہ خواہ مثل کہاں سے چلی یہ معلوم ہو یا نہ ہو، مثل کو بذات خود اہمیت دیتے تھے اور اسے زبان کے لیے قیمتی سرمایہ کے طور پر نقل کرتے تھے۔ چنانچہ حکمت کی بات کہنے والا یا ضرب المثل وضع کرنے والا تاریخ کی سلوٹوں میں گم ہوجاتا تھا۔

ان امثال میں کچھ ایسی نوعیت کے مقولے بھی ہوتے ہیں جن کے اصل مقصود یا مراد تک رسائی بظاہر دشوار معلوم ہوتی ہے۔اس لیے ان کے صحیح مفہوم یا معنی تک پہونچنے کے لیے ضرب الامثال کی کتابوں سے مدد حاصل کرنا لازمی ہوجاتا ہے۔مثال کے طور پر عربوں کا مقولہ ہے ''بعینٍ ماأرینّک ''۔اس کا معنی ہے ''أسرِعْ''یعنی جلدی کرو۔جبکہ ظاہری طور پر الفاظ اس معنی کی طرف رہنمائی نہیں کرتے ہیں۔اور نہ ہی سننے والے کا ذہن اس طرف منتقل ہوتا ہے۔اس موضوع پر ابوالہلال العسکر ی نے اپنا تبصرہ پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ ایک ایسا مقولہ ہے جس کا معنی سماعی طور پر سمجھا جاتا ہے۔یعنی لوگ اس مقولہ کو جس معنی میں استعمال کرتے ہیں اس کا ہی اعتبار کیا جائے گا خواہ الفاظ اس معنی کی طرف اشارہ کرتے ہوں یا نہیں۔کیونکہ عرب اس کو اسی معنی میں استعمال کرتے ہیں۔اور ہمیں اس کو تسلیم کرنا ہوگا۔ہم اس میں تبدیلی بھی نہیں کر سکتے ہیں۔کیونکہ ضرب المثل میں الفاظ کو بعینہ نقل کیا جاتا ہے۔معنی کی وضاحت کے لیے اپنی طرف سے الفاظ میں اضافہ یا تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی ہے۔

5.11 مقولہ میں تبدیلی نہیں کی جاتی ہے

اسی طرح کا ایک اور مقولہ ہے ''الصیف ضیَّعَتِ اللبن ''۔یہ اس شخص کے لیے بولا جاتا ہے جو کسی چیز کو اس کے موقعہ پر حاصل کرنے میں کوتاہی کرے اور جب موقعہ ہاتھ سے نکل جائے تو طلب کی کوشش کرے۔اس مقولہ میں حرف تآء کو کسرہ ہے۔یہ مثل بہرحال اسی طرح نقل کی جائے گی۔خواہ مخاطب یا مقصود واحد مذکر ہو یا واحد مؤنث، تثنیہ مذکر ہو یا تثنیہ مؤنث، یا پوری جماعت ہو۔ ہر موقعہ پر ان ہی الفاظ کے ساتھ استعمال کی جائے گی۔تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

امثال میں قواعد کا اہتمام بھی ناگزیر نہیں ہوتا ہے۔عرب نحوی اور صرفی قواعد کی مخالفت والی امثال بھی نقل کیا کرتے تھے۔حالانکہ زبان اس زمانہ میں اپنا معیار اور وقار رکھتی تھی۔تاہم یہ مثل استعمال میں رہی ''أعط القوس باریْھا ''۔اس کا معنی ہے کہ کسی معاملہ میں ذمہ داری اسی کو دی جائے جو مہارت رکھتا ہو۔یہاں باریْہا میں حرف یآء

ساکن مستعمل ہے۔ جب کہ نحوی قاعدہ کی بنیاد پر ضابطہ یہ تقاضہ کرتا ہے کہ یاؔء پر فتحہ ہونا چاہئے۔ اسی نوعیت کا ایک او رمقولہ ہے ''أجناؤھا أبناؤھا ''اس کا معنی ہے کہ جن لوگوں نے گھر کو تباہ کیا ان ہی لوگوں نے اس کی تعمیر کی۔ أجناؤھا اور أبناؤھا دراصل جان یعنی جرم کرنے والا اور بان یعنی تعمیر کرنے والا کی جمع ہے۔ جب کہ صرفی قواعد کی بنیاد پر ضابطہ تقاضہ کرتا ہے کہ جمع کے لیے جُناتُھا بُناتُھا استعمال ہونا چاہئے۔ کیونکہ فاعل کی جمع افعال کے وزن پر نہیں آتی ہے۔ لیکن یہ مثل رائج ہے۔ ہم اس میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتے ہیں۔

گرچہ کچھ امثال ایسی رہی ہیں جو صرفی اور نحوی قواعد سے ہٹ کر رائج تھیں۔ یہ مقبول بھی ہوئیں۔ لیکن معاملہ ایسا نہیں ہے کہ سبھی اسی نوعیت کی رہی ہوں۔ بلکہ اکثریت کی حقیقت یہ ہے کہ عربی زبان کے قواعد اور اصول وضوابط سے ہم آہنگ رہی ہیں۔

5.12 امثال فصاحت وبلاغت کا نمونہ

امثال جاہلی دور کی فصاحت وبلاغت کا بہترین نمونہ ہیں۔ اس طرح کے حکیمانہ اقوال یا ضرب الامثال دراصل عرب کے صاحب فن یا فصاحت وبلاغت کے ماہرین کی زبان سے ہی نکلتے تھے۔ جن میں أکثم بن صیفی اور عامر بن الظرِب جیسے لوگوں کا شمار ہوتا ہے۔ اس قسم کی ضرب الامثال عربوں کی رواں زبان اور شعلہ بیان خطیبوں کی تقریروں میں بہت ملتی ہیں۔ وہ اپنے خطبوں اور تقریروں کو دلچسپ واثر انگیز بنانے کے لیے موقعہ ومناسبت کے اعتبار سے ان کا بھرپور استعمال کرتے تھے۔ جاحظ اس سلسلہ میں تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اہل عرب میں سے کوئی صاحب بیان کھڑا ہوجاتا اور معاشرہ میں رائج ضرب الامثال سلسلہ وار نقل کرنا شروع کر دیتا۔ لوگ ان ضرب الامثال میں سے صرف ان ہی کو منتخب کرتے تھے جن میں کوئی کام کی بات نظر آتی تھی۔ یا کسی موقعہ سے وہ مقولے کارآمد نظر آتے تھے۔ شعراء نے بھی خطیبوں کے طرز پر اپنے اشعار میں ان امثال کا استعمال شروع کر دیا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ان امثال میں بڑی تعداد ایسی ہے کہ اس میں موسیقیت پائی جاتی ہے۔ لحن اور وزن کی نوعیت نظر آتی ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ ضرب المثل شعر کا ایک مصرعہ بن جاتا تھا یا کبھی مکمل شعر بن جاتا تھا۔

اکثر یہ دیکھا جاتا ہے کہ امثال کی عبارتیں متوازن الفاظ سے عبارت ہوتی ہیں۔ چنانچہ ان میں ایسا توازن قائم ہوجاتا ہے کہ وہ مسجع عبارتوں سے مشابہ ہوجاتی ہیں۔ نیز ان امثال میں منظر کشی کا اہتمام ہوتا تھا۔ اسی وجہ سے النظّام کا کہنا ہے کہ یہ امثال بلاغت کی منتہی کا بہترین نمونہ ہیں۔ کیونکہ ان میں بہترین تشبیہ ہوتی ہے اور اعلیٰ درجہ کا کنایہ پایا جاتا ہے۔

5.13 امثال وحکم کی عبارتوں میں موسیقیت

امثال وحکم کی عبارتیں جب نظر سے گزرتی ہیں یا سننے میں آتی ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں بہت خوش اسلوبی سے ترتیب دیا گیا ہے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وضع کرنے والوں نے ان میں نغمہ کی کیفیت پیدا کردی ہے۔الفاظ کو موسیقی کی لہروں کے مطابق ڈھالا گیا ہے۔نتیجہ کے طور پر یہ مقولے مسجع شکل میں سامنے آ گئے۔کبھی ایسا بھی محسوس ہوتا ہے کہ انہیں کسی شعر کے مصرعہ کے طور پر سجایا گیا ہے۔اور کبھی یہ احساس گزرتا ہے کہ ان الفاظ کے ذریعہ کوئی خیال پیش کیا جارہا ہے یا کوئی تصور قائم کیا جارہا ہے۔الفاظ میں ہم آہنگی پیدا کر کے مقولہ کو معنی خیز اور مؤثر بنایا جاتا ہے۔اس طرح مقولہ میں زور اور وزن پیدا ہو جاتے ہیں۔

عرب دور جاہلیت میں اپنی تقریروں اور خطبات کو نیز اپنی گفتگو کے سلسلہ کو جمالیاتی شعور کی بناء پر زیادہ سے زیادہ پرکشش اور باوقعت بناتے تھے۔اس میں وہ دلچسپی بھی رکھتے تھے۔یہ خصوصیت ان کے اندر اس وجہ سے پائی جاتی تھی کہ فطری طور پر وہ بیان وتعبیر میں فصاحت وبلاغت کے دلدادہ تھے۔اس امر کی طرف قرآن کریم نے بھی اشارہ کیا ہے۔چنانچہ کچھ لوگوں کے متعلق فرمان الٰہی نازل ہوا''**ولتعر فنهم فى لحن القول**''اور دوسری جگہ ارشاد باری ہے''**ومن الناس من يُعجبك قولُه،فى الحياة الدنيا**''۔یہ اشارہ ہے اس حقیقت کی طرف کہ ان کی قوت بیانی بلا کی ہے کہ سننے والا اس سے متاثر ہو جائے دراصل یہ عربوں کی خصوصیات میں سے ہے۔اس پرکشش قوت بیانی کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو نبوت کی تائید میں بلاغت کا اعلیٰ نمونہ عطا کیا۔اور وہ قرآن کریم ہے۔یہ کتاب عظیم اسلوب وبیان پر مبنی ہے۔جس کا آج تک کوئی مدمقابل کھڑا نہیں ہوسکا۔فرمان الٰہی ہے''**وإنه لكتاب عزيز لا يأتيه الباطل من بين يديه ولا من خلفه تنزيل من حكيم حميد**''۔اس عظیم کتاب کو،اس کے پیغام کو عرب سمجھتے تھے کیونکہ زبان وبیان میں انہیں قدرت حاصل تھی۔تعبیر کی بلاغت اور نزاکتوں کا انہیں خوب اندازہ تھا۔

5.14 وصایا

عربوں کی نثر کے نمونوں میں وصایا بھی ہیں۔یہ دراصل وصیتیں ہوتی تھیں۔خاندان کا کوئی بااثر آدمی یا قبیلہ کا سردار جب اس دارفانی سے کوچ کر رہا ہوتا تھا تو اہل وعیال اور خاندان کے افراد کو جمع کر کے یا قبیلہ کے سربرآوردہ لوگوں کو مخاطب کر کے اپنی وصیتیں رکھتا تھا۔یہ وصیتیں مرنے والے کے تجربات کا نچوڑ ہوتی تھیں۔یا کبھی اس کے نامکمل عزائم وارادہ سے متعلق ہوتی تھیں۔مثلاً عربوں میں یہ رواج تھا کہ اگر کوئی قبیلہ کسی قبیلہ سے جنگ یا غارت گری کا انتقام

نہیں لے سکا، اسی دوران قبیلہ کے سردار کی موت کا وقت آ گیا تو اپنے بعد والوں کو وصیت کر جاتا تھا کہ فلاں قبیلہ سے انتقام لینا ہے۔ یہ وصیتیں مختصر ہوتی تھیں۔ نثر کا بہترین نمونہ ہوتی تھیں۔ مختصر الفاظ میں بڑے مقاصد پنہاں ہوتے تھے۔ مقصود یہ ہوتا تھا کہ یہ پیغام مخاطب کے ذہن میں نقش ہو جائے۔ عرب چونکہ اپنے تجربات و معلومات سینہ بہ سینہ منتقل کرتے تھے۔ اس لیے ان کے یہاں ان وصایا کی کافی اہمیت تھی۔ اس زمانہ میں کتاب و دفاتر کا اہتمام نہیں ہوتا تھا کہ بعد کی نسل کے لیے کوئی تحریری پیغام چھوڑ جایا جائے۔ بلکہ رخصت ہونے والا اپنی زبان سے ہی اہل کنبہ و قبیلہ کو ہدایات صادر کرتا تھا۔ لوگ ان ہدایات کو وصیت کے طور پر نقل کرتے تھے۔ معاشرہ میں پیش رو کی اہمیت و مقام کے اعتبار سے وصیت کی بھی اہمیت ہوا کرتی تھی۔ اسے زندگی کا سرمایہ قرار دیا جاتا تھا۔ ان وصایا میں حکمت کی باتیں بھی ملتی ہیں۔

5.15 وصیت کا نمونہ

احتُضِر ذوْ الإ صبَع العَدوانی ، فدعا ابنَه أُسَیدا لیُوصیَه ، فقال :" یا بنِی إنّ أباک قد فنَی، وھو حَیّ ، و عاش حتی سئِم العیشَ ، و إنّی مُوصِیک بما إنْ حفِظتَه بلغْتَ فی قومِک ما بلغتُه ، فاحفَظ عنّی ، أَلِنْ جانبَک لِقومک یُحِبُّوک ، و تواضَعْ لھم یَرفَعوک ، وابسُط لھم وجْھک یُطیعوک، ولاتستأثر علیھم بشی ء یُسَوِّ دوک".

ترجمہ: ذوالاصبع العدوانی کی موت کا وقت جب قریب آیا تو اس نے اپنے بیٹے اُسید کو بلایا تا کہ اسے کچھ وصیت کرے۔ وصیت کرتے ہوئے اس نے کہا:

اے میرے بیٹے! تمہارا باپ مردہ ہو چکا ہے۔ حالانکہ وہ ابھی باحیات ہے۔ وہ ابھی اس طرح زندہ ہے کہ اپنی زندگی سے مایوس ہو چکا ہے۔ میں تمہیں کچھ وصیت کرتا ہوں کہ اگر تم اس کا خیال رکھو گے تو اپنی قوم میں اس درجہ تک پہونچ جاؤ گے جہاں تک میں پہونچا تھا۔ میری باتوں کو یاد رکھو۔ تم اپنی قوم کے لیے نرم رویہ رکھو وہ تم سے محبت کرے گی۔ تم ان کے ساتھ عاجزی وانکساری کے ساتھ پیش آؤ وہ تمہیں بلند کر دیں گے۔ ان کے ساتھ خندہ پیشانی سے ملو وہ تمہاری بات مانیں گے۔ اور انہیں کسی معاملہ میں حقیر و کم حیثیت مت سمجھو وہ تمہیں اپنا سردار بنالیں گے۔

5.16 معلومات کی جانچ

1. امثال کی تدوین میں کن لوگوں نے پیش قدمی کی؟
2. امثال کی تدوین کب سے شروع ہوئی؟

3. امثال کے ساتھ پس منظر بیان کرنے کی کیا وجہ رہی؟
4. عصر جاہلی میں امثال وحکم کو کیوں اہمیت دی جاتی تھی؟
5. امثال کی تعریف کیجئے۔
6. حکم کی تعریف کیجئے۔
7. وصایا کی تعریف کیجئے۔

5.17 خلاصہ

عربی نثر میں ضرب الامثال اور حکیمانہ اقوال کی کثرت نظر آتی ہے۔امثال وحکم کے ذریعہ بات میں قوت اور اثر پیدا ہوجاتا ہے۔عرب اس غرض سے ان کا اکثر استعمال کرتے تھے۔روزمرہ کی گفتگو میں اور اپنی تقریروں میں امثال وحکم کے ذریعہ جان پیدا کردیتے تھے۔یہ دراصل انسانی زندگی کے تجربات کا نچوڑ ہوتی ہیں۔امثال وحکم میں فرق یہ ہے کہ امثال کا تعلق عوامی زندگی کے کسی واقعہ سے ہوتا ہے کہ کہیں کوئی واقعہ پیش آیا تو وہاں سے مثل چل پڑی۔پھر اس واقعہ سے مشابہ کوئی صورتحال پیش آئی تو وہ مثل پیش کردی گئی۔جب کہ حکم دراصل حکیمانہ اقوال ہیں۔ان کا تعلق معاشرہ کے خواص سے ہوتا ہے۔یعنی عقل ودانش کی بنیاد پر حکماء زندگی کے تجربات سے عبرت حاصل کرتے تھے۔پھر اسے ازراہ نصیحت دوسروں تک منتقل کرتے تھے۔عربوں کی گفتگو میں حکیمانہ اقوال کی کثرت نظر آتی ہے۔امثال وحکم چھوٹے چھوٹے فقروں پر مشتمل ہوتے ہیں۔موقعہ کے اعتبار سے جب ان کو نقل کیا جاتا ہے تو بعینیہ ان ہی الفاظ کا اہتمام کیا جاتا ہے جو امثال وحکم میں منقول ہیں۔اپنی طرف سے کسی لفظ کے داخل کرنے یا تبدیل کرنے کی گنجائش نہیں ہوتی ہے۔امثال وحکم کے ذریعہ زبان وادب کا معیار سمجھ میں آتا ہے۔قوم وقبیلہ کے احساس کی گہرائی اور تجربات کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔یہ نصاحت وبلاغت کے بہترین نمونے تصور کیے جاتے ہیں۔امثال وحکیمانہ اقوال میں خواتین عرب کا بھی کردار ہے۔تاریخ ادب عربی میں ایسی خواتین کے نام ملتے ہیں جنھوں نے اس میدان میں مقام حاصل کیا تھا۔

امثال وحکم کے علاوہ عربوں میں وصایا کا بھی اہتمام تھا۔خاندان یا قبیلہ کا بزرگ شخص جب خود کو موت سے قریب محسوس کرتا تھا تو اپنے اہل خانہ یا قبیلہ کے لوگوں کو وصیت کرتا تھا۔چونکہ اس زمانہ میں تحریر کا رواج نہیں تھا لہٰذا یہ وصیتیں زبانی طور پر ہی ادا کی جاتی تھیں۔ان وصیتوں میں زندگی کے تجربات نظر آتے ہیں۔یہ وصیتیں کبھی نصیحت کے طور پر کی جاتی تھیں تو کبھی عزائم اور ارادوں کو مکمل کرنے کی ہدایت کے طور پر۔یہ وصیتیں مختصر الفاظ میں ہوتی تھیں۔لیکن

کافی مؤثر اور دل پذیر ہوتی تھیں۔ ادب عربی میں ان وصیتوں کو کافی اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ انہیں اس زمانہ کے ادبی نمونہ کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔

5.18 نمونہ کے امتحانی سوالات

1. امثال کی تدوین کس طرح شروع ہوئی تبصرہ کیجئے۔
2. امثال وحکم کو زبان کی فصاحت و بلاغت میں کیا درجہ حاصل ہے؟
3. امثال کی اصل کا پتہ چلانا کیوں مشکل ہوتا ہے؟
4. تین امثال لکھ کر ان کا پس منظر بتایئے۔
5. پانچ حکیمانہ اقوال لکھ کر ان کے معنی بتایئے۔
6. خواتین حکماء کے متعلق آپ کیا جانتے ہیں؟
7. عربوں کے یہاں وصیت کی اہمیت پر روشنی ڈالئے۔
8. امثال وحکم کی عبارت میں موسیقیت پر اظہار خیال کیجئے۔

5.19 فرہنگ

رمَی	یرمِی	رِمایة	تیر چلانا
السَهْم			تیر
راش	یَریش	رَیْشا	پر لگانا
جنَی	یجنِی	جنًی ، جَنْیا	پھل توڑنا
شَوْک	ج	أشواک	کانٹا
عِنَب	ج	أعناب	انگور
همّ	یهُمّ	هَمّا	ارادہ کرنا
رعَی	یرعَی	رَعْیا الماشیة	جانور چرانا
قرَع	یقرَع	قَرْعا	آواز پیدا کرنا، کھڑکھڑانا

شلّ	يشَلّ	شَلَلا	بےحرکت ہونا،مفلوج ہونا
ضاق	يضيق	ضَيْقا	تنگ ہونا
كَلْم	ج	كُلوم و كِلام	زخم
أنكى			غالب، پرزور، زیادہ تکلیف دہ
السِنان	ج	أسِنّة	نیزہ
وهَب	يهَب	وهبا	عطا کرنا، دینا
صال	يصول	صَوْلا	زوردکھانا، طاقت استعمال کرنا
أمِن	يأمَن	أمنا	محفوظ رہنا
مأمَن			محفوظ ٹھکانا
حذِر	يحذر	حَذرا	متنبہ ہونا
صرَع	يصرَع	صَرعا	پچھاڑنا
بَرْق	ج	بُروق	روشنی، چمک
طمَع	يطمَع	طَمعا	لالچ، حرص
أنجز	يُنجِز	إنجازا	وعدہ پورا کرنا
حرٌّ	ج	أحرار	آزادانسان،شریف آدمی
جنَى	يجنِى	جِناية	جرم کرنا

5.20 مطالعہ کے لیے معاون کتابیں

1. عربی ادب کی تاریخ از ڈاکٹر عبدالحلیم ندوی
2. عربی ادب کی تاریخ از محمد کاظم
3. تاریخ ادب عربی (احمد حسن زیات) از طفیل احمد ندوی
4. ادب عربی کی مختصر تاریخ از ڈاکٹر ابوحاتم خاں
5. تاریخ الادب العربی (العصر الجاہلی) از ڈاکٹر شوقی ضیف